آوارہ

جبران خلیل جبران

مرتبہ

پیر عبیدی

الکتاب لاہور

۱۲۸۲- چابک سواراں

جبران

کی

دوسری

کتابیں

ریت اور جھاگ

ریاضِ رسول

کشکول

مسیح ابن آدم

ناشران

الکتاب لاہور

مندرجات

جبران خلیل جبران

جبران نے اپنے شعروں میں، اپنی تصویروں میں، اپنے افسانوں میں وجدان کی سرمستی، اور راگ کی ہمہ گیری اور پندارِ حسن کی دلفریبی کو زندگی کی تلخ مگر ٹھوس حقیقتوں میں اس سلیقے سے سمویا، کہ طنز کی زہر آلود حلاوت، "آلام کی جگر سوز حدت" اور سرتابی و سرکشی کی پرخلوص شدت کے سہارے، اس نے اپنی مختصر سی زندگی میں، مشرق اور مغرب دونوں کو مسخر کر لیا ——

—— اگر طبعیاتی حالات، احول و فضا کا کسی شاعر کے اندازِ بیان، کسی مصور کے حسنِ نظر اور کسی فلسفی کے رجحانِ فکر پر اثر پڑتا ہے، تو جبران نے آنکھ ملک شام، مقدس کاہنوں، جلیل القدر نبیوں اور اولوالعزم بادشاہوں کی ایسی سرزمین میں کھولی، —— جہاں صدیوں پرانی روحانیت کی افسردہ عظمت کے نغموں کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔ جس کی شوکت و سطوت کے مٹے ہوئے نشان بھی آج سربلندی اور جاہ طلبی کی راہیں انسانی بصارت پر روشن کرتے ہیں۔ جس کے حسن و جمال کے فیضانی تاثر کا سحر دورِ جدید کی

ہوش ربا، تفریح گاہوں میں بھی باطل ہونے نہیں پاتا۔ حیں کے مرغزاروں
کی سرمست ہوائیں پتوں کی سرسراہٹوں میں موسیقی کی ایسی دنیا جگا دیتی
ہیں کہ گنگ زبانیں اور بہرے کان بھی ان کی ترنم ریزیوں سے سرشار
نظر آتے ہیں، اجودتِ طبع کے لئے، اگر فیضانِ صحبت اور تربیتِ فکر بھی
ضروری ہے تو جبران کے علم و تفکر کی پرداخت کے لئے بیروت کے
مدرسۂ حکمت سے زیادہ سازگار ماحول کا تصور محال ہے۔ جہاں جبران نے
عربی زبان کی تحصیل کے لئے داخلہ لیا تھا۔ اور اگر وسعتِ نظر کے لئے کثرتِ
مشاہدہ ہی اک ضروری شرط ہے تو مشرق اور مغرب کی ان تھک سیاحت
نے اسے بدلتی ہوئی دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اور ان جانے ہیجانات
سے دوچار ہونے کے بے شمار ایسے ایسے غیر متوقع مواقع بہم پہنچائے، جن کا
اس کے علاوہ میسر آنا دوبھر تھا ——— اس کی شاعری کو فروغ
دینے میں اگر مشرق کے الہیاتی فیضان کا معتدبہ حصہ ہے۔ تو اس کی مصوری
کو شہرت بخشنے میں فرانس کی ان درسگاہوں کا فیض جاری ہے۔ جنہوں نے
اپنی صدیوں پرانی روایات کی تمام تر عظمت کے ساتھ، اکتسابِ ہنر کے
لئے اس پر ایسی ایسی راہیں اُجاگر کیں، جن کا ارضِ شام یا امریکی دنیا میں نظر آنا
مشکل ہی نہیں، ناممکن تھا!

جبران لبنان میں پیدا ہوا۔ امریکہ میں پلا۔ مشرق اور مغرب میں تحصیلِ علم و ادب

• جبران لبنان کے قصبہ بشری میں ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوا۔

سیر و سیاحت کے شوق میں گھوم پھر کر، پھر امریکہ ہی میں آن بسا، اور وہیں مرا۔۔۔۔۔۔ پیدائشی عیسائی تھا، اور ساری عمر اپنے آرٹ اور ادب کے ذریعے عیسائیت کی پرچار کرتا رہا۔ اس کے روایتی مسیحی تعصب کی "کرامت" کرشمے نہیں، جدید لامذہبیت نہیں، اس کے اپنے نفسیاتی رجحانات کا دخل تھا، کہ امریکی دنیا کی بے مثل مادہ پرستی کی ہولناک شدت، اس کی دولت و ثروت کی فراوانی، اس کے تجمل و شوکت کی ہوش ربائی، اپنی پوری تندی کے باوجود، جبران کی اس روحانیت کو ختم نہ کر سکی، جو اس کے افکار و اقوال تخیل و ادراک میں فیضانِ مشرق سے فروزاں تھی، اور نہ ہی اس کی اس مسیحی شیفتگی کو مٹا سکی، جسے مذہبی اجارہ دار صرف کہانت کا حصہ بتاتے ہیں۔ کہ وہ جناب مسیح کی پرستش "صرف دل سے نہیں دماغ سے کرتا تھا۔ دماغ جس کے سہارے اس نے اپنی ہمہ تن سپردگی کے باوجود، ان پردوں کو چاک کر دینا اپنا منصب سمجھا، جنہیں قربان گاہوں میں اوندھے پڑے سسکنے والے، اور معابدوں کی پُرظلمت تاریکیوں میں بھٹکے ہوئے پادریوں اور راہبوں نے اک دنیا کو فریب دینے کے لئے، مسیحیت کی اصل تابانی کو چھپانے کے لئے اپنے روحانی وقار کا ڈھونگ قائم رکھنے کے لئے، ایک غیر مختتم سحر سے بن رکھا تھا۔ وہ مسیحی مبلغ ضرور تھا، مگر سچائی کی جستجو میں بھٹکنے والوں کا احترام کرتا تھا۔ کہ اسے اندھی تعظیم سے نفرت تھی، اور بے مغز تقلید سے دشمنی، وہ فلسفی

• بوسٹن میں ۱۹۳۱ء میں موٹر کے حادثہ میں بری طرح زخمی ہو کر مر گیا،

تھا، اور اگرچہ اس کے فلسفے پر مسیحی مغلوبیت نے قنوطیت کا رنگ چڑھا دیا تھا۔ مگر وہ اسے شعر کی رنگینی اور بیان کی دلکشی میں اس خوبی سے مدغم کر دیتا ہے، کہ پڑھنے والے اس بے سُر امتزاج کا کھوج لگائے بغیر، تاثر قبول کر لیتے ہیں!

جبران انتہا پسند مبلغ نہ سہی، انتہا پسند نقاد ضرور تھا۔ اس کی اس انتہا پسندی کی سب سے بڑی وجہ اغلباً مشرقی اور مغربی زندگی کا وہ نمایاں تفاوت تھا، جس کا احساس اسے مشرق کی الہامی سرزمینوں سے دور، مغرب کی مادی ہماہمی میں اپنی پوری شدت کے ساتھ ہوا۔ یہ نہیں کہ وہ مغرب کی چکاچوند سے دوچار ہوتے ہی خیرہ ہو کر رہ گیا تھا۔ اور نہ یہ کہ اس کے لئے، بہشت مغرب میں، حسن برق پاش کی خرمن سوز تجلیوں کو بے نقاب دیکھ کر سفینۂ قلب و نظر کا سنبھالنا دوبھر ہو گیا تھا لیکن جب وہ اپنے عقائد و اعمال میں، اپنے بلند بانگ نظریات و بے عمل زندگی میں، چاہے وہ مذہبی پیشواؤں کی زندگی ہو۔ جاہ طلب حاکموں کی، اقتدار پسند جاگیرداروں کی، یا سیاسی راہنماؤں کی زمین و آسمان کا بُعد دیکھتا ہے، تو جھنجھلا اٹھتا ہے۔

"خدا کے پیمانے میں ایک انسان کی جان دوسرے انسان کی جان کے برابر ہے، اگر تم چونکہ اس قدر کو نہیں پہچانتے، کہ وہ لوگ جو تمہارے باغوں میں، کھیتوں میں مشقت کرتے ہیں، ان کی جان کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ تمہاری جان کی ——— تمہیں جلاوطن کیا جاتا ہے

"تمہیں یہ ملک ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا ہوگا!

"یہ صلیب جو تم گلے میں لٹکائے پھرتے ہو، اس کا پیغام ہے زندگی کو زندگی سے معمور کرنا، لیکن تم زندگی کو زندگی سے محروم کرتے ہو، تم اس مقدس فرمان کی تضحیک کرتے ہو ۔۔۔۔۔ تمہیں اس ملک سے نکل جانے کا حکم دیا جاتا ہے"
جاگیردارانہ استبداد، کلیسائی اقتدار، ملوکیت و کہانت کے خلاف اس کی اس جرأت آفریں بے باکی کو دیکھ کر، رسمی اشتراکیت کی پرچار کرنے والے، جو جبران کے ذہنی رجحانات کے ڈانڈے اشتراکیت سے ملانے میں سر دھنتے رہتے ہیں، اپنی اخلاقی بے بضاعتی پر شرمانے لگتے ہیں۔ کہ جبران انسان کو تقلید کے ہر بندھن، اور غلامی کی ہر بدعت سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے ۔۔۔۔۔ اس کے نزدیک شاعر کا منصب غیرتِ نفس بیچ کر، "وقت" کی خوشنودی حاصل کرنا نہیں اپنے خونِ جگر سے ایسی ایسی ان جانی اور کٹھن راہوں کا سیراب کرنا ہے، جو قوم کو، سارے ملک کو، تمام دنیا کو آزادی ۔۔۔۔۔ روح جسم اور فکر کی آزادی سے دوچار کرا دے۔ اور اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قدیم عرب شاعروں سے فن و اسلوب کی انتہائی عظمت کا اکتساب کرنے کے بعد، ان کی فرسودہ ڈگر سے ہٹ کر، اپنے ملک کی صدیوں پرانی روایات کو تج کر اس نے اپنے لئے ایک ایسی روش کا انتخاب کیا؛ جہاں ہر قدم پر جدت کی تلاش میں موجود کی تخریب اور تخلیق کی جستجو میں تجدید کی مذمت ایسے سلجھے ہوئے انداز میں، اور ایسے پاکیزہ الفاظ میں کر کے، پڑھنے والوں کو ایک غیر محسوس احساس کے ذریعے تصور کی دنیا میں، ترقی کے اس اوج پر پہنچا دیتا ہے۔ جہاں ہر انسان، اپنے آپ کو دوسروں سے برتر و بلند سمجھنے لگتا ہے۔ جہاں انسان بلندی کی ان ناچشیدہ

لذتوں سے سرشار نظر آتا ہے جس کی طلب میں انسانیت صدیوں سے کلبلا رہی ہے
بوڑھے اور جوان خوش خوش، اپنے اپنے راستے پہ ہوئے ہر ایک اپنے آپ کو
بادشاہ سمجھتے ہوئے ۔۔۔۔۔۔ جیسے سچ مچ اس کے ایک ہاتھ میں تاج ہو
اور دوسرے میں موہلجان!

جبران کو اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے، اپنے ہم وطنوں کی زبوں حالی کے ماتم میں اس کی وارفتگی جنون کی حد کو پہنچ جاتی ہے، اوہام پرستی اور تقلید کے خلاف اس کی آواز چیخ بن کر گونجتی ہے، لیکن جبران کی اصل عظمت کا راز ان جذبات میں نہیں، اس ذوق میں پنہاں ہے جس کے سہارے اس نے مغرب کے جدید ترین نظریات سے دوچار ہونے پر ترقی پسند ہونے کا ثبوت بہم پہنچانے کی خاطر اپنے ادب اور فلسفے کو ان رجحانات پر قربان کر دینے کی بجائے اپنے حسن نظر سے اسے ایسی جلا دے کر پیش کیا، کہ اس کے حاصل و کمال کا آج اغیار کو بھی اعتراف ہے! ۔۔۔۔۔۔ اس کی تخلیقی قوت کو تحریک روحانی دنیا کے اس سرچشمے سے ملتی ہے جس کے تقدس و جمال کا تصور نہ محال ہے۔ نہیں تو نہ اس کے فکر میں یہ ہمہ گیری ہوتی اور نہ بیان میں یہ فصاحت و بلاغت، ۔۔۔۔۔۔ لیکن انداز سخن کی جمالیاتی دلکشی کا کمال اور پرزور الفاظ کا رشک سامان جاہ و جلال جن کے بل بوتے پر وہ اس روحانیت اور اس کے تجمل کو فروغ دیتا ہے، اور کہیں نظر نہیں آتا!

آوارہ

میں اسے چوراہے پر ملا ______ ایک اجنبی جس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا، تن پر ایک چادر اور چہرے پر بے پناہ درد کی ایک مبہم نقاب!

ہماری اس ملاقات میں گرم جوشی تھی اور خلوص تھا۔ میں نے اس سے کہا "میرے گھر تشریف لایئے، اور میری میزبانی قبول فرمایئے!"

______ اور وہ آ گیا!

میری بیوی اور بچے ہمیں دروازے پر ہی مل گئے، وہ انہیں مل کر بہت خوش ہوئے، اور وہ اس کی آمد پر باغ باغ ہو گئے!

پھر ہم سب ایک ساتھ کھانے پر بیٹھے، ہم بہت خوش تھے۔ اور وہ بہت مسرور تھا لیکن خاموش! اور اس کی خاموشی پراسرار تھی!

کھانے کے بعد ہم آگ کے پاس آن بیٹھے، ______ اور میں

اس سے، اس کی سیاحتوں کی بابت پوچھتا رہا۔

اس رات اور دوسرے دن، اس نے ہمیں بہت سی کہانیاں سنائیں ــــــــ لیکن یہ جو کچھ کہ میں اب قلم بند کر رہا ہوں۔ یہ اس کے تلخیِ ایام کی پیداوار ہے، اگرچہ وہ خود بہت ہی مشفق تھا اور رحم دل ــــــــ مگر یہ کہانیاں، یہ فسانے ہیں یہ تو غبار ہیں، اس کے صبر آزما کٹھن راستے کا!

اور تین دن بعد، جب وہ ہم سے رخصت ہوا، تو ہمیں یہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ کہ ہم نے کسی مہمان کو خیر باد کہا ہے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہم میں سے کوئی باہر باغیچہ میں ہے۔ اور اسے ابھی اندر آنا ہے!

لباس

ایک دن سمندر کے کنارے، خوب صورتی کی دیوی کی ملاقات بدصورتی کی دیوی سے ہو گئی۔ ——— ایک نے دوسری سے کہا۔

"آؤ سمندر میں نہائیں"۔

پھر انہوں نے اپنے اپنے لباس اتار دیئے، اور سمندر میں تیرنے لگیں ——— کچھ دیر بعد، بدصورتی کی دیوی سمندر سے نکل کر ساحل پر آ گئی، اور چپکے سے خوب صورتی کی دیوی کا لباس پہن کر کھسک گئی۔

اور جب خوب صورتی کی دیوی، سمندر سے نکلی، تو اس نے دیکھا اس کا لباس غائب تھا۔ عریانی اسے گوارا نہ تھی، بدصورتی کی دیوی کے لباس سے تن ڈھانپنے کے سوا چارہ نہ تھا ——— ناچار اس نے اس کا لباس اوڑھا، اور اپنی راہ چل دی۔

آج تک بھی، مرد اور عورتیں ایک پر دوسری کا دھوکا کھاتے ہیں، لیکن چند ایسے بھی ضرور موجود ہیں۔ جنہوں نے خوبصورتی کی دیوی کو دیکھا ہوا ہے۔ اور اس کے لباس کے باوجود اسے پہچان لیتے ہیں۔ اور یقیناً چند ایسے بھی ضرور ہوں گے۔ جنہوں نے بدصورتی کی دیوی کو دیکھا ہوا ہو —— اور اس کا لباس اسے اُن کی نگاہوں سے چھپا نہ سکتا ہو!

عقاب اور لوا

پہاڑی کی ایک اونچی چوٹی پر، ایک لوا ایک عقاب سے ملا۔
لوا نے کہا۔ "صبح بخیر حضور!"
عقاب نے نخوت سے اس کی طرف دیکھا اور رُوکھے سے کہا۔ "صبح بخیر۔"
لوا نے پوچھا۔ "اُمید ہے حضور بخیریت ہوں گے؟"
"ہوں۔" عقاب بولا۔ "ہم بدولت بخیریت ہیں —— لیکن کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہم تمام پرندوں کے بادشاہ ہیں۔ اور ہم بدولت سے خطاب کی جرأت اس وقت تک نہ کرنا چاہیئے جب تک ہم خود ایسا پسند نہ فرمائیں۔"
لوا بولا۔ "میرا تو خیال ہے کہ ہم سبھی ایک ہی گھرانے سے ہیں۔"
عقاب نے اس کی طرف بڑی حقارت سے دیکھا اور کہا۔ "کس نے پھونکا ہے یہ تیرے کان میں، کہ ہم اور تم ایک ہی گھرانے سے

ہیں ؟"

لوا نے کہا۔" تو پھر شاید مجھے حضور کو یہ جتلانا ہی پڑے گا۔ کہ میری پرواز "حضور" سے بھی بلند ہے۔ اور میری آواز آپ سے زیادہ سُریلی ہے۔ اور میں گا کر دوسرے جانداروں کو مسرت پہنچاتا ہوں اور حضور نہ کسی کو فرحت پہنچا سکتے ہیں اور نہ مسرور بنا سکتے ہیں"

اس پر عقاب کو بڑا غصّہ آیا۔ اور اس نے کہا۔" فرحت و مسرت کے بچے ——— گستاخ پرندے، پنجہ ماروں تو دم نکل جائے تیرا، میرے پنجے برابر تو ہو نہیں۔ اور یہ بالشت بھر کی زبان!"

اس پر لوا اڑ کر عقاب کی پیٹھ پر آن بیٹھا، اور لگا اس کے پر نوچنے ——— عقاب جھنجھلا کر اُونچا ——— اُونچا اڑنے لگا۔ کہ کسی طور اس حقیر چڑیا سے پیچھا چھوٹے۔ مگر لوا ایسا جم کر بیٹھا تھا کہ آخر ہار کر اسے ہی نیچے اترنا پڑا۔ ——— عقاب پہلے سے بھی زیادہ غصّے میں بھرا، اس بری گھڑی کو کوستا اس حقیر چڑیا کو اپنی پیٹھ پر لئے اسی چٹان پر آن گرا۔

اس وقت جانے کہاں سے ایک چھوٹی سی کھوپری نکل آئی۔ اور اس مضحکہ خیز منظر کو دیکھ کر کچھ اس طرح سے ہنسی، کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی!

عقاب نے بڑی نخوت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ او سدا کے زمین پر رینگنے والے کیڑے، بھلا تمہیں کس بات پر ہنسی آرہی

ہے ؟"

کچھوی بولی "کہ تم گھوڑا بن گئے ہو اور ایک ننھی سی چڑیا تم پر سواری کر رہی ہے۔ مگر وہ ننھی چڑیا ہے تم سے افضل !"

اس پر عقاب بولا "ارے راستہ ناپو تم ——— راستہ !
یہ ہماری گھروں کی بات ہے۔ میری اور میرے بھائی لڑائی ——— !"

محبّت کا گیت

ایک دفعہ ایک شاعر نے محبت کا ایک گیت لکھا ——
—— بڑا ہی پیارا گیت!
اس نے اس گیت کے بہت سے نسخے تیار کرائے، اور انہیں اپنے دوستوں اور اپنی جان پہچان والوں کو —— مردوں اور عورتوں کو بھجوایا۔ اور اس نوخیز دوشیزہ کو بھی جسے آج تک وہ صرف ایک ہی بار ملا تھا۔ جو اونچے پہاڑوں کے ادھر رہتی تھی!
اس کے کچھ دن بعد، اس نوخیز دوشیزہ کا قاصد اس کا خط لے کر شاعر کے پاس آیا، خط میں اس نے لکھا تھا۔
"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں محبت کے اس گیت سے، جو تم نے لکھ کر بھیجا۔ مجھے بے حد متاثر کیا ہے —— تم اب ہمارے یہاں آؤ، ایک بار میرے ماں باپ سے ملو، اور پھر ہم یقیناً اپنی نسبت کی بات چیت پکی کر لینے کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر ہی لیں گے"!

شاعر نے اس خط کا جواب اسے یوں لکھ بھیجا ——— "محترم خاتون، یہ تو صرف محبت کا 'ایک' گیت تھا۔ شاعر کے دل سے نکلی ہوئی بات، ——— وہ گیت، جو 'مرد' عورت کے لئے گاتا ہے "

اس کے جواب میں اس دوشیزہ نے لکھا۔

"مکار ——— فریبی، آج سے اپنی موت کے دن تک، جب تک بھی کہ میں زندہ ہوں، صرف تیری وجہ سے کسی شاعر سے منہ نہ لگاؤں گی ——— میں شاعروں سے ہمیشہ ہی نفرت کرتی رہوں گی!"

آنسو اور قہقہے

نیل کے کنارے، شام کے دھندلکے میں، ایک لگڑ بھگر ایک گھڑیال سے ملا ـــــــ ایک نے دوسرے کو ٹھہرا لیا، رسمی علیک سلیک کے بعد، لگڑ بھگر نے گھڑیال سے پوچھا "کہیئے سرکار کیسے گذر رہی ہے ؟"

گھڑیال بولا "کیا پوچھتے ہو بھائی، بُری ہی حالت ہے، اگر کبھی درد کی شدت کے مارے آنکھیں رو دیں، تو دیکھنے والے قہقہے لگاتے ہیں۔ کہ یہ گھڑیالی آنسو ہیں۔ اور جو سچ مانو تو اس اذیت کی خلش ناقابلِ برداشت ہوتی ہے !"

اس پر لگڑ بھگر نے کہا۔ "ارے میاں تم تو اپنے دُکھ کا رونا روتے ہو، یہاں ذرا میری حالت بھی تو دیکھو۔ میں دنیا کی خوب صورتیوں کو دیکھتا ہوں، اس کے معجزوں کو دیکھتا ہوں، اس کے کرشموں کو، تو مارے مسرت کے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ ایسے ہی جیسے صبح

مسکراتی ہے۔ تو یہ "جانگلی" میرے اس وجدانی کیف پر بھی قہقہے لگانے میں! ———— ارے یہ تو لگرد بھگری قہقہہ ہے!"

میلے پر

کسی دیہات سے ایک خوب صورت لڑکی میلے پر آئی ۔ــــــ

ــــــ کہتے ہیں بڑی ہی حسین تھی ، وہ دوشیزہ !

اس کے چہرے پر سوسن اور گلاب کی سی "تازگی تھی ، اور بالوں میں ڈوبتے ہوئے سورج کی سنہری کرنوں کی جھلملاہٹ تھی ــــــ

ــــــ اور ہونٹوں پر طلوعِ صبح کی مسکراہٹ تھی !

جیسے ہی میلے میں ، یہ حسین اجنبی دوشیزہ دکھائی دی ، جوانوں کی بھیڑ نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا ۔ــــــ ایک اس کے ساتھ رقص کر رہا ہے ۔ تو دوسرا اس کے اعزاز میں شراب کے خم لنڈھا رہا ہے ۔ اور اس کے گلابی گال چومنے کی ہوس میں تو سبھی بے تاب ہو رہے تھے ۔ــــــ

ــ آخر وہ میلے ہی پہ آئے ہوئے تھے نا

لیکن حسین دوشیزہ پریشان تھی ۔ گھبرا رہی تھی ۔ جوانوں کی بھیڑ میں اس کا دم گھٹا جا رہا!

تھا ، اسے ان سے وحشت ہو رہی تھی ، وہ انہیں کوسنے سنا رہی تھی ۔ ——— اور ایک نے تو اس نے تھپڑ بھی جڑ دیا تھا۔

——— وہ ان سے بھاگ کر دور چلی گئی !

"اُف توبہ ہے ، ناک میں دم کر دیا ۔" اس شام گاؤں لوٹتے ہوئے ، رستے میں وہ اپنے آپ سے کہہ رہی تھی "کس قدر ناشائستہ اور بدتمیز ہیں ، یہ نوجوان ، ——— ناقابلِ برداشت ہیں ۔ بابا یہ سب لوگ !

ایک سال گزر گیا ، اور وہ حسین دوشیزہ سال بھر ، میلے اور نوجوانوں کی یاد میں ڈوبی رہی ۔ میلے اور نوجوانوں کے خیال میں کھوئی رہی ۔۔ سال بعد وہ پھر چہرے پر سوسن ، اور گلاب کا سا نکھار ، بالوں میں ڈوبتے ہوئے سورج کی سنہری کرنوں کی جھلملاہٹ ، اور ہونٹوں پر طلوعِ صبح کی مسکراہٹ لئے ، میلے پر آئی !

لیکن اب جو جوان بھی اسے دیکھتا ، منہ پھیر لیتا ——— سارا دن گزر گیا ، نہ کسی نے اسے بلایا ، نہ کسی نے اس سے بات کی ۔ ——— وہ تنہا ہی میلے میں پھرتی رہی !

اور اُس دن شام گئے ، گاؤں لوٹتے ہوئے ، وہ اپنے آپ سے کہہ رہی تھی "ہائے توبہ ، ناک میں دم ہے کس قدر بداخلاق اور بداطوار ہیں یہ نوجوان ——— ناقابلِ برداشت ہیں بابا ، یہ سب لوگ !"

دو شہزادیاں

شواکس شہر میں ایک شاہ زادہ رہتا تھا ـــــــ سبھی اس سے پیار کرتے تھے، مرد، عورتیں اور بچے، یہاں تک کہ چراگاہوں سے چوپائے بھی اس کے سلام کو آتے تھے!

لیکن عوام کا خیال یہ تھا کہ اس کی بیگم، بادشاہ زادی کو اس سے بالکل پیار نہیں ـــــــ شاید وہ اس سے نفرت کرتی تھی!

ایک دن پڑوس کی کسی ریاست سے ایک شہزادی شواکس کی شہزادی سے ملنے آئی، وہ دیر تک ایک ساتھ بیٹھی باتیں کرتی رہیں ـــــــ

ـــــــ باتوں باتوں میں بات، ان کے شہزادوں پر آن نکلی، تو شواکس کی شہزادی جذباتی ہیجان میں آکر بولی "مجھے تو تمہاری ازدواجی زندگی پر رشک آتا ہے۔ تمہاری، تمہارے شاہ زادے کے ساتھ خوشی پر، حالانکہ تیرے بیاہ کو اتنی مدت بیت چکی ہے ـــــــ اور ایک میں بھی ہوں، سچ پوچھو تو مجھے اپنے خاوند سے

نفرت ہے۔ وہ کوئی صرف میرا تھوڑے ہی ہے۔ مجھ ایسی بدنصیب عورت، شاید ہی دُنیا میں کوئی ہو!

تب مہمان شہزادی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: جو مجھ سے پوچھو تو اصل میں، صرف تم ہی اپنے خاوند سے سچی محبت کرتی ہو۔ کہ ابھی تمہارے سینے میں تشنہ آرزوئیں باقی ہیں —— آرزوئیں جن سے عورت کا جوبن قائم رہتا ہے۔ ایسے جیسے پھولوں سے چمن کی بہار —— لیکن قابل رحم ہے، حالت میری اور میرے خاوند کی، اگر ہم صبر شکر کر کے ایک دوسرے کو صرف برداشت کئے جا رہے ہیں۔ صرف نباہ کئے جا رہے ہیں۔ اور اس "زندگی" پر ہمیں اور دوسرے لوگوں کو گمان ہے۔ قابلِ رشک خوشی اور مسرت کا!

"بجلی چمکتی ہے!"

ایک طوفانی شام، جبکہ ایک عیسائی پادری اپنے گرجے میں تھا، ایک غیر عیسائی عورت آئی۔ اور اس کے حضور میں کھڑی ہو کر بولی، "مقدس راہب میں عیسائی نہیں ہوں، لیکن کیا میرے لئے ابدی دوزخ کی آگ سے نجات کا کوئی ذریعہ ہے؟"

پادری نے اس کی طرف نخوت سے دیکھا اور کہا "نہیں —— نجات صرف ان کے لئے ہے، جن کی روحیں پاک روح سے اصطباغ کر چکی ہیں ——" جیسے وہ یہ کہہ رہا تھا۔ خوفناک گرج کے ساتھ آسمان سے بجلی کوندی اور گرجے کو اپنے مہیب شعلوں میں لپیٹ لیا۔

شہر سے لوگ بھاگے آئے، انہوں نے اس عورت کو تو بچا لیا لیکن پادری جل کر راکھ ہو چکا تھا —— آگ کا ایندھن!

راہب اور درندے

آج سے بہت پہلے یہاں سے بہت دور پہاڑوں میں ایک راہب کا مسکن تھا۔ اس کی روح پاک تھی اور ضمیر روشن —— زمین و آسمان کے تمام جان دار زوج زوج اس کے حضور میں آتے، اور وہ ان سے باتیں کرتا۔ وہ بڑے انہماک اور شوق سے اس کی باتیں سنتے، اور اس کے گرد جمع رہتے۔ یہاں تک کہ سورج چھپے وہ انہیں اپنی دعاؤں کے ساتھ جنگل کی ہوا کے سپرد کر دیتا۔!

ایک شام جب وہ محبت کے متعلق بات چیت کر رہا تھا۔ ایک شیرنی نے اپنا سر اٹھایا، اور راہب سے پوچھا "حضور آپ ہم سے تو محبت کی کہانیاں کہہ رہے ہیں، لیکن آپ کی اپنی جورو کہاں ہے؟"

راہب بولا۔ "میری کوئی جورو نہیں۔"

اس پر چرندوں، پرندوں، درندوں کے اس انبوہ میں حیرت و استعجاب کی ایک لہر دوڑ گئی، اس کی کوئی نہیں سنتا تھا سب

اپنی ہی ہانکے جاتے تھے ـــــــ قیامت کا شور، بے پناہ شور بپا تھا۔

"یہ تمہیں محبت کرنے کا۔۔

"گھر بسانے کا، درس کیونکر دے سکتا ہے، جب اس نے خود، نہ کبھی محبت کی، نہ کبھی گھر بسایا!"

اس نفرت میں وہ اسے اکیلا چھوڑ کر چل دیئے ـــــــ اور اس رات، راہب چٹائی پہ اوندھا پڑا روتا رہا اور اپنا سینہ پیٹتا رہا!

پیغمبر اور بچہ

ایک دن ہمارا پیارا رسول ایک باغ میں ایک بچے سے ملے، بچہ بھاگ کر ان کے پاس آگیا۔ اور بولا۔ "صبح بخیر حضور!"

پیغمبر نے کہا۔ "صبح بخیر ننھے ——— آج میں دیکھتا ہوں کہ تم اکیلے ہو!"

بچے نے خوشی سے کھِل کھلاتے ہوئے کہا۔ "اپنی آپا کو کھونے میں اک زمانہ لگا ہے مجھے! ——— وہ سمجھ رہی ہے کہ میں جھاڑیوں کے اِدھر ہوں ——— اور آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ میں یہاں ہوں! پھر اس نے اس پیغمبر کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ مگر آپ بھی تو تنہا ہیں۔ آپ کی آپا کیا ہوئی؟"

پیغمبر بولے "یہ ایک الگ قصہ ہے۔ جو سچ پوچھو تو میں کوشش کروں بھی تو اسے کھو نہیں سکتا۔ ہاں جب میں ادھر آیا تھا۔ تو وہ جھاڑیوں کے ادھر میری تلاش کر رہی تھی۔"

بچے نے خوشی سے تالی بجاتے ہوئے کہا۔ "تو پھر آپ بھی میری طرح کھوئے ہوئے ہیں نا ـــــــ آخاہ، کیا مزہ ہے یوں کھو جانے میں بھی ـــــــ!" اور پھر پوچھنے لگا "لیکن آپ کون ہیں؟"

"مجھے کہتے ہیں سایہ یا رسول، اور تم نے بھی تو مجھے نہیں بتایا کہ تم کون ہو؟"

"میں ـــــــ؟ میں صرف میں ہوں!" بچے نے جواب دیا۔ "اور آیا مجھے ڈھونڈ رہی ہے۔ آیا جسے پتہ ہی نہیں کہ میں کہاں ہوں!"

پیغمبر نے بچے کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں بھی پل بھر کے لئے اپنی آیا سے بھاگ آیا ہوں ـــــــ لیکن وہ جلد ہی مجھے ڈھونڈ لے گی ـــــــ!"

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ میری آیا مجھے آخر ڈھونڈ ہی لے گی!"

اسی وقت ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ جو اس بچے کا نام لے کر اسے پکار رہی تھی ـــــــ "دیکھا نا" بچہ بولا "میں نے آپ سے کہا نہیں تھا۔ کہ وہ مجھے ڈھونڈ رہی ہے!"

اور اسی آن ایک اور آواز سنائی دی "کہاں ہو تم سارا یا؟"

پیغمبر بولے "دیکھا نا، میرے پالنے آخر انہوں نے مجھے بھی ڈھونڈ ہی لیا۔" اور چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"اللھم لبیک ـــــــ یہاں ہوں میں!"

موتی

ایک صدف نے دوسرے سے کہا "میرے اندر درد ہے
بڑی شدّت کا درد ! بوجھل اور گول سا ——— اور میں بہت
ہی تکلیف میں ہوں !"
دوسرے صدف نے بڑی نخوت سے کہا "سب ستائش ہے ۔
آسمانوں کے خدا کے لئے ۔ میں تو اندر باہر سے بالکل ٹھیک ہوں"۔
اس وقت ایک کیکڑا جو پاس سے گزر رہا تھا اور اس نے ان دونوں کی
باتیں بھی سنی تھیں بولا "ہاں تم اندر باہر سے بالکل ٹھیک ہو
——— لیکن جو درد تیرے پڑوسی کے ہے ، وہ ایک انمول
موتی ہے !"

روح اور جسم

بہار کے دن تھے ، ایک مرد اور ایک عورت! دونوں ایک ساتھ دریچے میں بیٹھے تھے ، دریچہ جو باغ میں کھلتا تھا ، ——

—— وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت ہی قریب بیٹھے تھے!

عورت بولی "مجھے تم سے محبت ہے ۔ کہ تم جوان ہو ، دولت مند ہو اور خوش پوش !"

"میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں ، کہ تم ایک حسین خواب ہو ——

—— ایک ایسا خیال جو لمس کا متحمل نہ ہو سکے ، میرے سہانے خوابوں کا ایک رسیلا گیت —— !" مرد جذبات کی رو میں بہہ گیا ۔

عورت جل کر الگ ہو گئی "تم مجھ سے دور ہی رہو تو بڑا کرم ہو گا کہ میں نہ تو کوئی سراب ہوں ۔ اور نہ ہی ایسا نازک خیال جس کا سحر تیرے ادنیٰ لمس سے ٹوٹ جائے ، جو صرف تمہارے خوابوں

سے متعلق ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔ میں عورت ہوں ۔ اور یہ میری آرزو تھی، کہ تم مجھے اپنی جورو بتاتے ،، اپنے نادیدہ بچے کی ماں !،،

اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ۔ مرد اپنے دل میں کہہ رہا تھا: ”دیکھو، ایک اور حسین خواب ، بس خیال ہو کر رہ گیا“

اور عورت کہہ رہی تھی :“ اس مرد کا کیا ہے ۔ جو مجھے ، میری آرزو کو صرف خواب و خیال بنا دینا چاہتا ہے !“

بادشاہ

مملکتِ صادق کے مشتعل باغیوں نے بادشاہ کے محل کو گھیر رکھا تھا
وہ بادشاہ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے!

بادشاہ ایک ہاتھ میں شاہی تاج اور دوسرے میں صولجان لئے محل
کی سیڑھیاں اُتر آیا ــــــ شاہی سطوت کا جادو اژدہام کے
سر چڑھ کر بولا - مجمع پر خاموشی چھاگئی ــــــ بادشاہ عوام
کے سامنے کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا -

"میرے دوستو! ــــــ جو اب ہماری رعایا نہیں ــــــ لو،
یہ لو اپنا تاج اور صولجان میں اب تمہارے حوالے کرتا ہوں میں
اب تم سے ایک ہوں گا - اگرچہ میں تنہا ہوں، لیکن میں تمہاری سماج
کے ایک فرد کی حیثیت سے تمہارے ساتھ کام کرنے کے لئے تم
سے اشتراک کروں گا - ہم سب مل کر کام کریں گے، کہ ہماری حالت
سُدھر سکے ــــــ اب بادشاہت کی کوئی ضرورت نہیں ہی

"ہم سب ایک ساتھ مل کر کھیتوں میں، باغوں میں مشقت کریں گے
تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ مجھے کس کھیت میں، کس باغ میں کام کرنا
ہے ——— اب تم سب بادشاہ ہو!"
رعایا اپنی اس آسان جیت پر خوش تو تھی۔ لیکن ایک مبہم سکوت
ان پر مسلط تھا۔ کہ وہ بادشاہ جس کے خلاف وہ بغاوت پر اُٹھے
تھے۔ جسے وہ اپنی تمام مصیبتوں کا باعث سمجھتے تھے۔ اپنا تاج
اپنا صولجان ان کے حوالے کر چکا ہے!
وہ ان میں سے ایک بن گیا ہے!!
پھر وہ سب، ہر ایک اپنی اپنی راہ پر ہو لیا ——— اور بادشاہ
بھی کسی ایک کے ساتھ کسی ایک کھیت کو چل دیا!
مملکت صادق کی حالت بادشاہ کے بغیر بھی سدھر نہ سکی۔ بے چینی
اب بھی عام تھی، بازاروں میں، چوراہوں میں لوگ چلّا اٹھے۔
"ہمیں بادشاہت چاہیے"
"ہم بادشاہ کا راج چاہتے ہیں!"
"ہم اپنے لئے ایک بادشاہ چاہتے ہیں" ۔ بوڑھے اور جوان سب ایک
ساتھ مل کر چلاتے تھے۔
"ہم اپنے بادشاہ کو واپس لائیں گے!"
انہوں نے بادشاہ کی تلاش شروع کر دی ——— بادشاہ انہیں
ایک کھیت میں مشقت کرتا مل گیا۔ وہ اُسے شاہی محل میں لے آئے

اور شاہی تاج اور صولجان اس کے قدموں میں رکھ دیئے۔ ہاتھ باندھ کر اس کے حضور میں کھڑے ہو گئے۔

"عالم پناہ اب ہم پر حکومت کیجئے، پوری قوت کے ساتھ، پورے انصاف کے ساتھ!"

بادشاہ نے جواب دیا "ہم اپنی پوری قوت کے ساتھ حکومت کریں گے ہاں مگر خدائے ارض وسما ایسا بھی کرے کہ ہم انصاف بھی کر سکیں!"

پھر لوگ، ـــــ عورتیں اور مرد اس کے حضور میں ایک بڑے جاگیردار کی شکایت لے کر آئے، جو اپنے کارندوں پر بہت ظلم کرتا تھا۔

بادشاہ نے اسی آن اس بڑے جاگیردار کو طلب فرمایا۔ اور اس پر ٹوٹ پڑا "خدا کے پیمانے میں ایک انسان کی جان دوسرے انسان کی جان کے برابر ہے ـــــ مگر تم چونکہ اس قدر کو نہیں پہچانتے کہ وہ لوگ جو تمہارے کھیتوں میں، تمہارے باغوں میں دن رات محنت کرتے ہیں، ان کی جان کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے۔ جتنی کہ تمہاری جان کی ـــــ تمہیں جلاوطن کیا جاتا ہے ـــــ تمہیں یہ ملک ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا ہوگا!"

اگلے دن ایک اور گروہ، جو پہاڑوں سے ادھر بسنے والی ایک نواب بیگم کے مظالم سے نالاں تھا۔ اس کی شکایت لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔

بیگم کی بھی فوراً طلبی ہوئی - بادشاہ نے اسے بھی جلا وطنی کی سزا دیتے ہوئے کہا "وہ جو ہمارے کھیتوں میں ہل چلاتے ہیں - اور ہمارے انگوروں کی حفاظت کرتے ہیں - ہم سے بہتر ہیں —— ہم جو ان کا پیدا کیا ہوا اناج کھاتے ہیں - اور ان کے بنائی ہوئی شراب پیتے ہیں! لیکن تم چونکہ اس احساس سے بے بہرہ ہو - اس لئے تمہیں اس ملک کو چھوڑ دینا ہوگا —— اس ملک سے کہیں دور جا کر رہنا ہوگا!

پھر مرد اور عورتیں اس کے دربار میں روتے چلاتے آئے - کہ اے بادشاہ پادری ہمیں گرجے کے لئے بڑے بڑے پتھر ڈھونے، اور تراشنے پر مجبور تو کرتا ہے —— مگر مزدوری کے پیسے نہیں دیتا - حالانکہ پادری کی تجوری سونے اور چاندی سے بھری ہوئی ہے اور ہمارے پیٹ بھوکے ہیں -

پادری کے نام بھی پروانہ جاری ہو گیا - اور جب وہ دربار میں پیش ہوا تو بادشاہ جھنجلا اٹھا —— "یہ صلیب جو تم گلے میں لٹکائے پھرتے ہو، جانتے ہو - اس کا پیغام ہے زندگی کو زندگی سے معمور کرنا —— لیکن تم زندگی کو زندگی سے محروم کرتے ہو -

—— تم اس مقدس پیغام کی تضحیک کرتے ہو -

—— تمہیں اس ملک سے نکل جانے کا حکم دیا جاتا ہے ——

—— تمہیں کبھی یہاں واپس نہ آنے دیا جائے گا!"

یونہی ——— بالکل اسی طرح ایک پورا چاند، مہینہ بھر روز لوگ عورتیں اور مرد اپنی اپنی مصیبتوں کا رونا رونے اس کے پاس آتے رہے اور بادشاہ ظالموں کو ان کے ظلم کی پاداش میں ملک بدر کرتا رہا۔

مملکتِ صادق کی دنیا خوش تھی۔ اور سب کے دل شانت تھے!

ایک دن سلطنت صادق کے مرد اور عورتیں، بوڑھے اور جوان اپنے بادشاہ کے محل کے گرد پھر جمع ہوئے۔ انہوں نے اپنے بادشاہ کے محل کو گھیر لیا۔

بادشاہ ایک ہاتھ میں شاہی تاج اور دوسرے میں صولجان لئے پھر محل کی سیڑھیاں اتر آیا۔

"اب تم بادولت سے اور کیا چاہتے ہو ——— لو ہم تمہیں وہ سب کچھ واپس کرتے ہیں، جسے سنبھالنے کی تم نے ہم سے درخواست کی تھی!"

"نہیں نہیں اے بادشاہ" وہ گڑگڑانے لگے "تم ہمارے ——— بادشاہ ہو۔ تم نے ہمارے لئے اس زمین کو ڈسنے والے سانپوں اور خون چوسنے والے بھیڑیوں سے پاک کر دیا ہے۔ ہم تو یہاں تمہارے گن گانے، تمہاری عظمت کے گیت گانے آئے ہیں ——— تاج اپنی تمام شوکت کے ساتھ حضور کا ہے۔ اور صولجان اپنے پورے اقبال کے ساتھ جہاں پناہ کا ہے!"

اُس بادشاہ نے کہا :- بادولت نہیں —— ہم نہیں، تم سب بادشاہ ہو۔ جب تم نے ہمیں کمزور پایا، اور ہماری حکومت کو ناقص، تم خود بھی کمزور تھے اور ناقص تھے —— اب کہ رعایا خوش حال ہے۔ تو یہ تمہاری تمنا تھی! میں تو صرف تمہارا آدرش و چار ہوں —— تم سب کے دماغوں کا ایک پُر عظمت تصور! اور میرا وجود تمہارے اعمال کے سوا کچھ بھی نہیں —— حاکم کی تو کوئی ہستی ہی نہیں، صرف محکوم زندہ ہیں، آپ اپنے آپ پر حکومت کرنے کے لئے —— !

بادشاہ اپنے تاج اور اپنے صولجان کے ساتھ ایک بار پھر محل میں داخل ہو گیا —— اور مملکت صادق کے بوڑھے اور جوان خوش خوش اپنے اپنے راستے پر ہو لئے۔ ہر ایک اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتے ہوئے —— جیسے سچ مچ اس کے ایک ہاتھ میں تاج ہو۔ اور دوسرے میں صولجان!

ریت پر

ایک آدمی نے دوسرے سے کہا "مدت ہوئی" کامل مد کے دنوں میں نے اپنے عصا کی نوک سے سمندر کے کنارے ریت پر کچھ لکھا تھا، لوگ اسے پڑھنے کو اب بھی تھم جاتے ہیں۔ انہیں یہ فکر رہتی ہے۔ کہ کوئی اسے مٹا نہ دے!"

دوسرا بولا۔ "میں نے بھی ریت پر کچھ لکھا تو تھا۔ لیکن وہ زمانہ کامل جذر کا تھا۔ اور بے پایاں سمندر کی بے پناہ موجیں اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں۔ ہاں مگر بتاؤ تو تم نے لکھا کیا تھا؟"

پہلے نے جواب دیا "میں نے لکھا تھا "میں وہ ہوں جو ہے اور —— تم نے کیا لکھا تھا"؟

دوسرا بولا "میں نے یہ لکھا تھا "میں تو اس بے پایاں سمندر کا صرف ایک قطرہ ہوں!

تین تحفے

بصاری کے شہر میں کبھی ایک بہت ہی رحم دل شاہ زادہ آباد تھا۔
جس سے ساری رعایا پیار کرتی تھی۔ جس کی ساری رعایا دل سے
عزت کرتی تھی!

مگر اسی شہر میں ایک ایسا قلاش بھی رہتا تھا، جسے شاہ زادے سے
بڑی نفرت تھی ـــــــ اور وہ ہمیشہ اس کے خلاف زہر
اُگلتا رہتا تھا۔

شاہ زادے کے کانوں تک یہ سب کچھ پہنچ تو جاتا ـــــ لیکن
پھر بھی وہ خاموش رہتا۔

آخر اس نے اس کا علاج یہ نکالا کہ سردیوں کی ایک ٹھنڈی رات
اپنے غلام کو آٹے کی ایک بوری، صابن کا ایک گٹھا اور شکر کا
ایک توڑا دے کر اس قلاش کے یہاں بھیجا۔

غلام نے اس قلاش سے جا کر یہ کہا کہ شاہ زادے نے یہ سب کچھ

حضور کی خدمت میں بھیجا ہے !"
قلاش یہ سن کر بھولا ، اور یہ سمجھ کر اترایا . کہ شاہ زادے نے اسے
نذرانہ بھیجا ہے ———— اسی گھمنڈ میں وہ مفتی کے پاس پہنچا
اور شاہ زادے کے تحائف کی تفصیل بتا کر کہنے لگا ————
———— "دیکھا تم نے ، شاہ زادے کو میری خوشنودی کس قدر منظور
ہے !"
مفتی یہ سن کر مسکرایا . "ہاں میں نے دیکھا ہے ———— کہ کس قدر
دانش مند ہے ، شاہ زادہ ، اور کس قدر بے وقوف ہو تم ————
———— لیکن کچھ تم بھی سمجھے کہ وہ باتیں استعاروں میں کرتا ہے .
آٹے کی بوری ، تیرے خالی پیٹ کے لئے ہے . صابون تیرے
میلے لباس کو اجلا کرنے کے لئے ہے . اور شکر تیری کڑوی زبان کو
شیریں بنانے کے لئے !"
اس دن سے اس قلاش کو خود اپنے آپ سے نفرت ہو گئی ، مگر
شاہ زادے کے خلاف جو کدورت تھی . اس کی شدت پہلے سے
بھی زیادہ بڑھ گئی ———— اور اس مفتی کو تو وہ زہر سمجھنے لگا ،
جس نے اس پر شاہ زادے کی عظمت کا راز اجاگر کر دیا تھا !
کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس قلاش نے اپنی زبان سے کبھی شاہ زادے
کے خلاف کچھ نہیں کہا

امن اور جنگ

تین کتے دھوپ میں بیٹھے گپ لڑا رہے تھے۔
ایک کتے نے اونگھتے ہوئے دوسرے سے کہا "آج کتوں کی دنیا میں رہنا بھی کیا غضب ہے ——— دیکھو تو ہم کس بے تکلفی سے، ہوا میں، پانی میں اور زمین پر چل پھر سکتے ہیں، اور ذرا ان ایجادوں پر بھی تو غور کرو، جو صرف ہماری آسائش کے لئے اختراع ہوئی ہیں۔ ہماری ناک، کان اور آنکھ کے لئے"؟
دوسرا کتا بولا "میرے خیال میں، ہم میں جمالیاتی حس بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، ہم چاند پر اپنے اجداد سے کہیں بہتر انداز میں بھونک سکتے ہیں" ——— اور جب اپنے نقوش کا عکس پانی میں دیکھتے ہیں، تو انہیں کل سے بہتر پاتے ہیں!
تیسرے نے کہا "لیکن بھائی جو اطمینان اور مسرت مجھے کتوں کی باہمی مفاہمت سے ہوتی ہے۔ وہ کسی اور شے سے مجھے نہیں ملتی ———

———— جیسے ہی اس نے یہ کہا، تو کیا دیکھتے ہیں، کہ کتوں کا شکاری چلا آرہا ہے، بس پھر تو بھاگے دم دبا کر۔

تینوں، کتے بے تحاشا بھاگ رہے تھے، اور ایک چلا چلا کر کہہ رہا تھا ارے بھائی! خدا کے لئے اپنی جان بچا کر نکل جاؤ، کہ تہذیب ہمارے تعاقب میں ہے!"

رقاصہ

پرکشا کے شاہ زادے کے حضور میں، ایک رقاصہ، بہت سے مطربوں کے ساتھ حاضر ہوئی ——— باریاب، پر اس نے اپنا رقص اس انداز سے پیش کیا، کہ اس کے بدن کی ہر جنبش، شہنائی، بربط اور چھتارا، ہر ساز کے ساتھ ہم آہنگ تھی!

اس نے شعلوں کا ناچ پیش کیا۔ اس نے تلواروں اور بجلیوں کا ناچ دکھا،
اس نے زمان و مکان کا ستاروں کا ناچ دکھایا ———

——— اور پھر اس نے پھولوں کا رقص پیش کیا، پھول جنہیں آندھی اپنی لپیٹ میں لئے اڑ رہی ہو!

رقص کے بعد وہ شاہ زادے کے تخت کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی ——— اور اپنا سر جھکا دیا۔

شاہ زادے نے رقاصہ کو اپنے قرب کا فخر بخش کر، اس سے یوں خطاب کیا: "اے خوب صورت عورت، اے زائیدۂ مسرت و رعنائی

تو نے یہ جادو کہاں سے سیکھا ہے ـــــــــ تو نے اپنے ترنم اور تلاطم سے تو عناصر کو بھی مسخر کر لیا ہے!

رقاصہ رونا رہو کو بولی۔" اے جلیل القدر شاہ زادے، مجھے یہ تاب کہاں کہ میں تیرے سوالوں کا جواب دے سکوں ـــــــــ لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اگر فلسفی کی روح اس کے دماغ میں ہوتی ہے، شاعر کی اس کے دل میں، مغنی کی اس کے گلے میں، تو رقاص کی روح اس کے روئیں روئیں میں پھڑکتی ہے!

دو مزّتی فرشتے

شہر کے دروازے پر ایک شام دو فرشتے ملے ۔ رسمی سلام دعا کے بعد ایک نے دوسرے سے پوچھا "کیوں بھئی کیسے گزر رہی ہے ——— کس کام پر ہو آج کل ؟"

"کیا کہوں تم سے"۔ دوسرا بولا "میرے سپرد دور نیچے وادی میں بسنے والے ایک ایسے شخص کی نگہداشت کی گئی ہے ۔ جو انتہائی گنہگار ہے ۔ اور پست اخلاق، ——— اور یہ کام ایسا کٹھن ہے، کہ تم شاید ہی اندازہ کر سکو ۔ بس یہی سمجھو کہ دن رات جان مار رہا ہوں !"

"یہ تو سہل سی بات ہے"۔ پہلے نے کہا ۔ "کہ مجھے اکثر گنہگاروں سے سابقہ پڑا ہے ۔ کئی بار بڑے بڑے پاپیوں کی نگہداشت پر رہا ہوں ۔ مشکل تو اب آن پڑی ہے کہ مجھے اس درویش پر مقرر کر دیا گیا ہے ۔ جو اس "برگ پوش" میں رہتا ہے ——— اور تم نہیں جان سکتے، کہ یہ کام کس قدر دشوار ہے، اور نازک !"

"یہ تو تمہارا خیال ہی ہے۔" دوسرا بولا "بھلا ایک درویش کی نگہداشت کسی گنہگار کی نگہداشت سے کیونکر مشکل ہو سکتی ہے ؟"

"عجب بدتمیزی ہے۔" پہلے نے کہا "میں تم سے ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں ——— اور تم اسے صرف خیال بتاتے ہو !"

بات تُو تُو میں میں سے بڑھ کر ہاتھا پائی پر پہنچی ——— اور پھر لگے دونوں طرف سے مُکے اور پَر برسنے !

اِدھر یہ دونوں گتھے ہوئے تھے، کہ ایک شوخ و شنگ فرشتہ ——— فرشتوں کا سردار کہیں سے اِدھر آن نکلا۔

اس نے دونوں کو علیحدہ کراتے ہوئے کہا: بڑی شرم کی بات ہے کہ شہر کے دروازے پر دو مربی فرشتے یوں آپس میں لڑیں۔ اور پھر بے وجہ ——— مگر میں بھی تو سنوں کہ آخر قصہ کیا ہے ؟

دونوں ایک ساتھ چلا اُٹھے

وہ چلا چلا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے، کہ جو کام ایک کے ذمے ہے، وہ دوسرے کے کام سے کہیں زیادہ کٹھن ہے۔ اور اس لئے وہ دوسرے سے افضل ہے !

یہ سن کر بڑا فرشتہ سوچ میں پڑ گیا !

"میرے رفیقو میں یہ فیصلہ تو نہیں دے سکتا" وہ بولا۔ "کہ تم میں سے ستائش کا زیادہ حق دار کون ہے؟ لیکن امن قائم رکھنے کے

لئے میں تمہارے منصب ضرور بدل دیتا ہوں ۔ اس لئے کہ تم دوسرے
کے کام کو آسان سمجھتے ہو! ——— اچھا اب خوش خوش اپنے
اپنے نئے کام پر چلے جاؤ ۔

دونوں فرشتے نئے احکام سن کر اپنے اپنے راستے چل تو دیئے مگر مڑ
مڑ کر اس سردار فرشتے کو گھور رہے تھے ۔ اور دل ہی دل میں کہہ رہے
تھے ۔

" بڑے آئے سردار بن کر ——— زندگی ہر روز پہلے سے بھی زیادہ
دو بھر بنائے جا رہے ہیں! "

لیکن وہ سردار فرشتہ وہیں کا وہیں کھڑا تھا ۔ اور سوچ رہا تھا
اب ہمیں اور بھی زیادہ محتاط رہنا پڑے گا ——— ان
نگہبان فرشتوں کی نگہداشت کے لئے!

مجسمہ

دُور پہاڑ کے دامن میں ایک آدمی رہتا تھا۔ اس کے پاس پرانے اُستادوں کا بنایا ہُوا ایک مجسمہ تھا۔ جو اس کے دروازے پر اوندا پڑا رہتا تھا ——— اور اسے اس کی کچھ قدر معلوم نہ تھی!

ایک دن ایک شہری اِدھر سے گزرا، ایک پڑھا لکھا عالم۔ اُس نے اس بت کو دیکھ کر اس کے مالک سے پوچھا "کیا آپ اسے بیچیں گے؟"

یہ سُن کر وہ ہنس دیا "اس پتھر کو کوئی کیوں خرید لے گا؟"

شہری بولا "ایک درم تو میں پیش کرتا ہوں"

دیہاتی اس سودے پر حیران تھا ——— مگر اسے کیا، وہ اپنا درم گرہ میں باندھ چکا تھا!

بت ہاتھی کی پیٹھ پر شہر اٹھوا کر لے گئے ——— کئی مہینوں کے

بعد وہ دیہاتی شہر گیا۔ تو بازار میں پھرتے پھراتے ایک جگہ بھیڑ
لگی دیکھ، وہ بھی رُک گیا۔
ایک آدمی اُونچی آواز میں پکار رہا تھا ——— "آؤ ایک نادر
شاہکار دیکھو، ایک انمول مجسمہ، جس کے ساتھ کا دنیا بھر میں کہیں
نہ ہوگا ——— صناعی کے اس بے مثل نمونے کی" زیارت" کے
لئے صرف دو درم ——— صرف دو درم"!
دیہاتی بھی دو درم دے کر، وہ نادر روزگار مجسمہ دیکھنے داخل
ہو گیا، جسے اس نے خود ایک درم کے بدلے بیچا تھا!

تبادلہ

ایک دفعہ کسی چوراہے پر ایک غریب شاعر، ایک دولت مند بے وقوف سے ملا۔

وہ دیر تک کھڑے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ اور ان کی اس بات چیت کے ترچھی نغمے، کی ہر تان، اطمینان کے فقدان پر ٹوٹتی!

قضا و قدر کا فرشتہ اِدھر سے گذر رہا تھا، اس نے دونوں کو اپنے پروں کے سائے تلے لے لیا ——— یہ کرشمہ ہی تو تھا کہ دونوں کی املاک کا باہم تبادلہ ہوگیا، انہیں اس کا پتہ تک بھی نہ چلا اور پھر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے!

لیکن حیرت ہی کی بات ہے نا، کہ پھر بھی شاعر یہ سمجھ رہا تھا۔ کہ اب اس کے پلے کچھ نہیں رہا، سوائے خشک ریت کے ——— اور بے وقوف آنکھیں بند کرنے پر صرف یہ محسوس کرتا تھا کہ اس کے دل پر بادل تیر رہے ہیں

محبّت اور نفرت

عورت نے مرد سے کہا "مجھے تم سے محبت ہے"!

مرد بولا "یہ میری دلی تمنا ہے، کہ میں تمہاری محبت کے قابل بن جاؤں"!

پھر عورت نے کہا "تو تمہیں مجھ سے محبت نہیں"!

مرد نے صرف اس کی طرف دیکھا اور خاموش رہا۔

اس پر عورت نے چلاّنا شروع کر دیا "مجھے تم سے نفرت ہے ——— میں تم سے نفرت کرتی ہوں"!

اور مرد نے کہا "تو پھر یہ میری دلی آرزو ہے، کہ میں تمہاری نفرت کے قابل بن جاؤں"!

خواب

ایک آدمی نے ایک سپنا دیکھا، جب اس کی آنکھ کھلی، تو اپنے خواب کی تعبیر کے لئے، اپنے معبّر کے پاس پہنچا۔
معبّر نے اس سے کہا: "میرے پاس جب ایسے خواب لے کر آؤ گے، جنہیں تم نے بیداری میں دیکھا ہو، تو ان کی تعبیر میں تمہیں بتا سکوں گا۔ کہ تمہاری نیند کے سپنوں کو نہ تو میری دانش سے کوئی نسبت ہے، اور نہ ہی تمہارے تخیل سے کوئی واسطہ!"

دیوانہ

پاگل خانے کے باغ میں، میں نے ایک نوجوان کو دیکھا، جس کا خوبصورت چہرہ پیلا ہو رہا تھا، جس پر تحیّر کی سیاہی چڑھی ہوئی تھی!

میں اس کے پاس بنچ پر جا بیٹھا، اور میں نے پوچھا ——

—— تم یہاں کیسے؟

اس نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا، اور کہا "یہاں آپ کا یہ سوال اگرچہ بے معنی ہے —— بہر حال میں جواب پیش ضرور کروں گا۔

"میرے باپ کی یہ خواہش تھی، کہ میں ہو بہو اس کا نمونہ بنوں اور یہی تمنّا میرے چچا کی تھی، میری ماں کی یہ آرزو تھی، کہ میں اپنے مرحوم نانا کے نقش قدم پہ چلوں —— اور میری ہمشیرا اپنے بے باک ملّاح خاوند کو میرے لئے بہترین نمونہ

سمجھتی تھی ۔ میرا بھائی سوچتا تھا کہ مجھے اور کچھ نہیں ، بس اس کی طرح اک نامی پہلوان بننا چاہیئے !

"اور یہی حال میرے اساتذہ کا تھا ۔ فلسفے کے استاد کا ، موسیقی کا ، اور منطق کا ، سب کی یہی خواہش تھی ———— ، اور وہ بڑی جانفشانی سے اس کوشش میں لگتے ، کہ وہ مجھ میں اپنے جوہر اس طرح معکوس دیکھیں ، جس طرح آئینہ میں اپنا عکس دیکھتے ہیں !

"اور میں یہاں اسی لئے چلا آیا ، کہ یہاں مقابلتاً زیادہ سکون ہے ، اور میں کم ازکم میں تو بن سکتا ہوں !"

پھر ایکا ایکی وہ میری طرف مڑتے ہوئے بولا ، "لیکن آپ یہاں کیسے پہنچے ، اونچی تعلیم کی طفیل یا اچھی صحبت کے فیض سے ؟"

میں بوکھلا سا گیا "نہیں نہیں ۔ میں تو صرف ملاقاتی ہوں"۔

"ہوں" ۔ وہ بولا "تو میں سمجھا آپ ان میں سے ہیں ، جو اس دیوار کے ادھر والے پاگل خانے میں رہتے ہیں !"

مینڈک

گرما کی ایک صبح، مینڈک نے مینڈکی سے کہا: "میرا خیال ہے، کہ یہ لوگ جو جھیل کے اُدھر رہتے ہیں، ہمارے رات کے ٹرّانے سے بے آرام تو ضرور ہوتے ہوں گے!"

مینڈکی بولی: "تو جیسے دن کو وہ اپنی بکواس سے ہمارے آرام میں خلل انداز نہیں ہوتے؟"

مینڈک نے کہا: "کچھ بھی ہو، مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے، کہ ہم ٹرّاتے کچھ زیادہ ہی ہیں!"

مینڈکی بولی: "اور ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ دن کو وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی چلاتے اور شور مچاتے ہیں!"

مینڈک بولا: "پر کبھی اس مینڈک کا بھی خیال کیا کبھی تم نے، جو رات بھر اپنے شور سے پڑوسیوں کا دم ناک میں کر دیتا ہے!"

مینڈکی نے کہا "ہاں مگر اس قاضی، کیمیاگر اور ملاں کا بھی کبھی خیال کیا تم نے، کہ دن بھر اپنے بے ربط شور سے بے پناہ ہنگامے سے، فضا کو خراب کرتے رہتے ہیں!"

مینڈک بولا "ارے بھئی چھوڑو انہیں۔ ہمیں کم از کم ان انسانوں سے تو بہتر ہونا چاہیئے نا ——— اب ہم رات کو خاموش رہیں گے۔ اپنے گیت اپنے دل میں رکھیں گے، چاہے چاند ہماری موسیقی کے لئے، اور ستارے ہمارے گیتوں کے لئے چلاتے ہی کیوں نہ رہیں!"

مینڈکی بولی "تو جیسے تمہاری مرضی۔ دیکھیں جو یوں تمہارے من کو چین مل جائے!"

اس رات مینڈک خاموش رہے۔ اور دوسری رات بھی نہ ٹرّائے ——— اور تیسری رات بھی!

لیکن اس پر قصہ یوں ہوا۔ کہ وہ باتونی عورت جو جھیل کے اِدھر والے کنارے پر رہتی تھی، تیسری صبح ناشتے پر اپنے گھر والے سے شکایت کر رہی تھی۔

"میں تین رات سے بالکل نہیں سوئی ——— پہلے جب مینڈک موئے ٹرّاتے تھے، تو کم از کم نیند تو آجاتی تھی۔ اب جانے تین رات سے انہیں کیا ہوا ہے۔ سانپ سونگھ گیا ہے۔ کہ بالکل ٹرّاتے ہی ہی نہیں۔ اور اِدھر بے خوابی سے میرا دماغ پھٹا جاتا ہے!"

مینڈک نے سُنا، تو مینڈکی کی طرف مڑ کر آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولا "اس خاموشی سے ہم بھی تو پاگل ہوئے جاتے تھے، نہیں کیا؟"

مینڈکی بولی "ہاں کیوں نہیں، رات کا یہ سناٹا ہمارے لئے بھی تو وبال ہی بنا ہوا تھا، مگر تم نے تو دیکھ لیا نا، کہ ہمارے لئے خاموش رہنا، سرے سے ضروری ہے ہی نہیں، اور پھر ان کی خاطر، جو اپنے خلا کو شور سے بھرا رکھنا چاہتے ہوں"!

اس رات ان کی موسیقی کے لئے چاند کی پکار، اور ان کے گیتوں کے لئے ستاروں کی فریاد خالی نہ گئی!

قانون اور قانون ساز

آج سے ہزاروں سال پہلے، ایک بہت بڑا بادشاہ، ایک بہت ہی بڑے ملک پر راج کرتا تھا!

بادشاہ بہت انصاف پسند تھا۔ بہت ہی دانش مند تھا۔ اور بہت ہی رحم دل ——— وہ اپنی رعایا کے لئے اچھے اچھے قانون بنانا چاہتا تھا۔

اس مطلب کے لئے، اس بادشاہ نے ہزار مختلف قبیلوں سے ایک ہزار دانش مند طلب کئے، کہ اس کے پایۂ تخت میں جمع ہو کر، قانون مرتب کریں،

اور وہ ہزار دانش مند اس کام کو انجام دینے کے لئے اس کے پایۂ تخت میں جمع ہو گئے!

لیکن جب ان ایک ہزار دانش مندوں نے، ایک ہزار قانون تصنیف دے کر، بادشاہ کے حضور میں پیش کئے ۔ اور اس نے

انہیں پڑھا، تو اسے بہت دکھ ہُوا، وہ اپنے دل ہی دل میں،
بہت رویا، کیوں کہ یہ اس کے علم میں نہیں تھا، کہ اس کے ملک
میں ایک ہزار قسم کے جرم کئے جاتے ہیں!
پھر اس نے اپنے نوشتہ وار کو طلب کیا، اور بڑی خود اعتمادی
کے ساتھ مسکراتے ہوئے، اسے خود چند قانون لکھوائے ——
اور یہ قانون گنتی میں صرف سات تھے!
اس پر وہ ایک ہزار دانش مند، اس سے ناراض ہو کر، اپنے اپنے
قبیلوں میں ان قوانین کو لے کر واپس چلے گئے، جنہیں انہوں نے
خود وضع کیا تھا —— اور ہر قبیلہ اپنے اپنے قبیلے کے
بزرگ کے بنائے ہوئے قانون پر کاربند ہو گیا!
اور آج تک ان قبیلوں میں، اسی لئے وہی ایک ہزار قانون رائج ہیں!
یہ ایک بہت بڑا ملک ہے۔ اس میں ایک ہزار قید خانے
ہیں، اور ان قید خانوں میں ایسے مرد، ایسی عورتیں اور ایسے بچے
بھرے ہوئے ہیں، جو ہزاروں قانون روز توڑتے ہیں!
بے شک یہ ایک بہت بڑا ملک ہے۔
یہ بہت ہی بڑا ملک ہے، اور اس کی آبادی، اُن ایک ہزار قانون
سازوں کی اولاد کے دم سے ہے جن میں صرف ایک دانش مند بادشاہ
تھا!

دیروز، امروز اور فردا

میں نے اپنے دوست سے کہا "تم اسے اس کے بازو پر جھکی ہوئی دیکھ رہے ہو۔ کل بالکل اسی طرح وہ میرے بازو پر جھکی ہوئی تھی"
میرے دوست نے کہا " اور کل وہ میرے بازو پر جھکی ہو گی"!
میں نے کہا " ذرا دیکھو تو کس طرح اس کی گود میں پڑی ہے۔ کل اس طرح میری گود میں پڑی تھی"!
میرا دوست بولا " اور بالکل اسی طرح کل وہ میری گود میں پڑی ہو گی"!
میں نے کہا " ذرا دیکھو تو، وہ اس کے پیالے سے منہ لگائے ہوئے ہے۔ اور کل بالکل اسی طرح میرے پیالے سے ہونٹ چپکائے تھی"!
اس نے کہا " اور کل میرے پیالے سے پی رہی ہو گی"!
میں نے پھر کہا " دیکھو تو اس کی طرف کس پیاسے دیکھ رہی ہے۔

آنکھوں میں سپردگی کا اظہار ہے ——— اور کل بالکل اسی طرح میری طرف دیکھ رہی تھی!"

میرا دوست بولا "اور کل اسی نظر سے مجھے دیکھے گی!"

میں نے کہا "کیا تم دیکھ نہیں رہے، کہ اس کے کان میں محبت کے گیت گا رہی ہے، بالکل وہی گیت جو کل میرے کانوں میں کہہ رہی تھی!"

میرا دوست بولا "اور کل یہی گیت میرے کان میں گا رہی ہو گی۔"

میں چلّایا "پر دیکھو تو، وہ اس سے بغل گیر ہو رہی ہے۔ اور کل بالکل اسی طرح مجھ سے لپٹی ہوئی تھی"۔

میرا دوست بولا "اور کل مجھ سے لپٹی ہو گی"

میں جھلّا اٹھا "کیسی عورت ہے یہ!"

لیکن اس نے کہا "وہ زندگی ہی طرح ہے جس پر سب کا قبضہ ہے اور موت کی طرح وہ ہر ایک کو مسخر کر لیتی ہے ——— اور ابدیت کی طرح ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے!"

فلسفی اور کفش دوز

موچی کی دوکان پر، ایک فلسفی آیا ——— فلسفی کے جوتے پھٹے ہوئے تھے!

فلسفی نے موچی سے کہا: "مہربانی سے میرے جوتے مرمت کر دیجیے"۔

موچی بولا "معاف فرمایئے۔ ایک تو میں یہ جوڑا سی رہا ہوں، دو چار مرمت طلب جوڑے ابھی اور باقی ہیں، ان کے بعد آپ کے جوتوں کی باری آئے گی۔ تاہم آپ اپنے جوتے یہاں چھوڑ جایئے اور آج کا دن یہ جوڑا پہن لیجیے، ——— کل تشریف لایئے اور اپنے جوتے لے جایئے"!

موچی کے اس جواب پر فلسفی طیش میں آگیا!

"میں نے کبھی کوئی ایسا جوتا نہیں پہنا جو میرا اپنا نہ ہو"

"آپ کہیں ——— فلسفی تو نہیں"؟

موچی اپنے اس استفسار کا کوئی جواب نہ پاکر بولا۔

"آپ یقیناً سچ مچ کے فلسفی معلوم ہوتے ہیں۔ جب ہی کسی دوسرے

کے جوتوں سے اپنے پاؤں ڈھانپنا آپ کو گوارا نہیں ــــــــــ

ـــــــ ہاں تو اسی بازار میں، ایک اور موچی بھی بیٹھتا ہے اور وہ فلسفیوں

کے مزاج کو مجھ سے بہتر سمجھتا ہے۔ آپ اپنے ان جوتوں کی مرمت

کے لئے، اسی کے پاس تشریف لے جائیے!"

پُل بنانے والے!

انطاکیہ میں جہاں دریائے آسی سمندر میں گرتا ہے، شہر کے آدھے حصے کو دوسرے آدھے حصے سے ملانے کے لئے، ایک پل باندھا گیا!
پل بھاری بھر کم پتھروں سے بنایا گیا۔ جنہیں انطاکیہ کے خچروں پر لاد کر پہاڑوں سے لایا گیا تھا۔
جب پل بن کر تیار ہوگیا، تو اس کے ایک ستون پر یونانی اور آرامی زبان میں یہ عبارت کھود دی گئی۔
"یہ پل شاہ انطاکیوس دوئم نے بنایا تھا۔"
اب لوگ اس خوبصورت پل سے، دریائے آسی کے آر پار آجاتے تھے۔ ایک شام ایک جوان، جسے کچھ لوگ پاگل سمجھتے تھے اس ستون پر چڑھ گیا۔ جہاں وہ عبارت کھدی تھی، اس نے اسے کوئلے سے مٹا دیا۔ اور اس کی جگہ یہ عبارت لکھ دی!
"اس پل کے لئے پتھر پہاڑوں پر سے خچر لائے تھے۔ اس پل کو

پار کرتے ہوئے، تم انطاکیہ کے خچروں کی پیٹھ پر ہوتے ہو، اس پل کے اصل بنانے والوں کی پیٹھ پر!

اور جب لوگوں نے اس جوان کا لکھا ہوا پڑھا بعض تو صرف ہنس دیئے اور بعض اس کی ذہانت پر حیران ہوئے۔ اور بعض نے صرف اتنا کہا۔ "اہو! ہم جانتے ہیں۔ کہ یہ کس پاگل کا کام ہے۔ اور اس کے پیچ" ذرا ڈھیلے نہیں ہیں کیا؟"

مگر ایک خچر نے ہنستے ہوئے دوسرے خچر سے کہا۔ "تمہیں یاد نہیں کیا، کہ یہ پتھر ہم نے ڈھوئے تھے ——— مگر اس کے باوجود آج تک یہی کہا جاتا رہا ہے۔ کہ یہ پل شاہ انطاکیوس نے بنایا تھا!"

زاد کے کھیت!

زاد کی سڑک پر، ایک مسافر ایک دیہاتی سے ملا۔ دیہاتی پاس ہی کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا!

مسافر نے زاد کے کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اس سے پوچھا "کیا یہی وہ میدان ہے، جہاں شاہ الہم نے اپنے دشمنوں پر فتح پائی تھی؟"

دیہاتی بولا "یہاں تو کبھی بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی، ہاں البتہ ان کھیتوں میں کبھی زاد کا عظیم الشان شہر ضرور آباد تھا۔ جو جل کر راکھ ہوگیا ہے۔ لیکن اب تو یہاں بڑے زرخیز کھیت ہیں، ——— یہ کھیت اچھے نہیں ہیں کیا؟"

مسافر آگے بڑھ گیا۔

کوئی آدھے میل پر، مسافر ایک اور آدمی سے ملا۔ زاد کے کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس مسافر نے اس سے پوچھا

"تو یہ ہے وہ مقام، جہاں کبھی ناد کا عظیم الشان شہر آباد تھا؟"

راہی بولا "یہاں کوئی شہر تو کبھی بھی آباد نہیں تھا ——
—— ہاں ایک خانقاہ یہاں ضرور ہوتی تھی، مگر مدت ہوئی دکھشنیوں نے اسے تباہ کر دیا تھا!"

تھوڑی ہی دیر بعد اسی سڑک پر، وہی مسافر ایک اور آدمی سے ملا —— اور ان وسیع کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک بار پھر اس نے پوچھا "کیا یہ سچ نہیں، کہ یہاں کبھی ایک بہت بڑی خانقاہ ہوتی تھی۔ جسے دکھشنیوں نے تباہ کر دیا تھا؟"

وہ آدمی بولا "اس نواح میں خانقاہ تو کبھی بھی کوئی نہ تھی، ہاں ہمارے باپ دادا کہا کرتے تھے، یہاں آج سے صدیوں پہلے اک مہیب شہاب ثاقب گرا تھا!"

اپنے آپ پر حیران، مسافر اپنی راہ چل رہا تھا۔

اب تھوڑی ہی دور لے ایک بوڑھا ملا، جس کا سفید سر، اس کے جھکے ہوئے کندھوں کے لئے زیادہ بوجھل ہو رہا تھا۔

بوڑھے کو سلام کرتے ہوئے، اس نے کہا "بڑے میاں، اسی سڑک پر ابھی تین مختلف آدمیوں سے ملا ہوں۔ جو اسی نواح میں رہتے ہیں، ان کھیتوں کے متعلق میں نے الگ الگ ہر ایک سے پوچھا لیکن تعجب کی بات ہے، کہ ہر ایک نے دوسرے کے بیان کو

جھٹلایا ——— ہر آدمی نے دوسرے سے مختلف کہانی
بیان کی !"
بوڑھے نے اپنا سر اوپر اٹھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔" یہ بات نہیں
میرے دوست ، ہر ایک نے تم سے وہی کچھ بیان کیا ہے ، جو واقع
تھا ، لیکن مصیبت یہ ہے ، کہ ہم میں سے بہت کم ایسے ہیں ، جو
حقیقت کو حقیقت میں اس طرح سمو دیں ، کہ سچ ، اجاگر ہو سکے !"

طلائی کمربند

ایک دفعہ سلامینز کے دو مسافروں کا راستے میں میل ہو گیا ، چلتے
چلتے دوپہر کے قریب وہ ایک ایسے دریا پر پہنچے ، جس کے وسیع
پاٹ کو پار کرنے کے لئے نہ کوئی ناؤ تھی ، اور نہ ہی کوئی پل —!
اب یا تو وہ دریا کو تیر کر پار کریں ، یا پھر کسی نئی راہ کی تلاش کریں!
ایک نے دوسرے سے کہا: "آؤ پھر تیر ہی کر پار کریں اسے ا—
— آخر دریا ، اتنا چوڑا بھی تو نہیں!"

دونوں نے اپنے آپ کو دریا میں پھینک دیا۔

ان دونوں میں سے ایک کا ، جو دریا اور دریا کے راستوں سے
خوب آشنا تھا ۔ آدھے ہی راستے میں دم پھول گیا ، اور تیز بہتے
ہوئے پانی کے ساتھ ساتھ وہ کبھی کنارے سے دور ہی دور ہٹتا
گیا ۔

اور دوسرا جس نے اس سے پہلے کبھی دریا کا منہ تک نہیں دیکھا

تھا۔ اور نہ تیرنا ہی جانتا تھا۔ بالکل سیدھا پیر کر، دریا کے دوسرے کنارے جا پہنچا —— مگر اب جو اس نے اپنے ساتھی کو پانی میں غوطے کھاتے دیکھا، تو اسے پانی میں پھر کودنا پڑا!

وہ اسے بھی بچا کر کنارے پر لے آیا!

دریا کے تیز بہتے ہوئے پانی کے تھپیڑوں نے اس کا بُرا حال کر دیا تھا۔ کنارے پر پہنچ کر اپنے ساتھی سے بولا —— "دوست تم تو بتا رہے تھے، کہ تم نے پانی کا کبھی منہ تک نہیں دیکھا" —— مگر دریا تو اس بے تکلفی سے پار کیا ہے، کہ میں بھی حیران ہوں!

دوسرے نے کہا۔ بھائی تم شاید میرے اس کمر بند کو نہیں دیکھ رہے اس میں اشرفیاں بھری ہوئی ہیں، اور انہیں میں نے اپنے بیوی بچوں کے لئے ایک ایک کر کے جمع کیا ہے۔ میری سال بھر کی کمائی!

اور یہ اسی تھیلی کمربند کا بوجھ تھا۔ جو مجھے دریا کے پار لے آیا!

دریا کے اس کنارے سے اُس کنارے پر، میری بیوی اور میرے بچوں کے پاس! —— جب میں دریا میں پیر رہا تھا۔ تو میری بیوی اور میرے بچے میرے کندھوں پر تھے

اور وہ دونوں پھر ایک ساتھ سالمیز کے راستے پر ہو لئے!

سُرخ زمین

ایک پیڑ نے ایک آدمی سے کہا "میری جڑیں دُور سرخ زمین میں ہیں۔ میں تمہیں اپنا پھل دوں گا"!

وہ بولا "کیسی یگانگت ہے ہم میں، میری جڑیں بھی دور سُرخ زمین ہی میں ہیں ۔ ——— اور یہ سرخ زمین تمہیں طاقت بخشتی ہے، کہ تم ہم پہ اپنا پھل نچھاور کرو، ——— اور ہمیں سکھاتی ہے ۔ کہ ہم احسان مندی کے ساتھ اسے قبول کریں"!

پورا چاند

چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوا، شہر کے تمام کتوں نے چاند پر بھونکنا شروع کر دیا۔
صرف ایک کتا خاموش رہا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے دوسروں سے کہا "۔ سکوت کو اس کی نیند سے نہ جگاؤ۔ اور چاند کو اپنی کہکشاں سے زمین پر نہ بلاؤ"۔
دوسرے کتوں نے بھونکنا بند کر دیا۔ ہولناک خاموشی چھا گئی لیکن وہ کتا جس نے دوسروں کو چپ رہنے کو کہا تھا۔ ساری رات خاموشی کی تلقین میں بھونکتا رہا!

راہب پیغمبر!

آج سے ان گنت سال پہلے کہیں ایک راہب پیغمبر رہتا تھا۔ وہ مہینے میں تین بار شہر جاتا، اور چوک میں کھڑے ہو کر لوگوں کو باہمی اشتراک و بخشش کی نصیحت کرتا، اس کے بیان میں زور تھا۔ اور زبان میں اثر ——— دور دور تک اس کی دھوم تھی!

ایک شام تین آدمی اس کی کٹیا میں آئے، اس نے ان کا خیر مقدم کیا، وہ بولے: آپ باہمی اشتراک و بخشش کی نصیحت کرتے ہیں۔ آپ نے ان لوگوں کو جن کے پاس ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ غریبوں سے مروت کرنے کا سبق دیا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپ کی شہرت نے آپ کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیے ہیں! ہم ضرورت مند ہیں، آپ ہماری امداد کیجئے، ہمیں کچھ عطا فرمائیے!

راہب بولا "میرے دوستو! میرے پاس اس بستر، چٹائی اور لوٹے کے سوائے اور کچھ بھی نہیں، اگر آپ کے یہ کسی کام آسکیں، تو انہیں لے جایئے، اور تو میرے پاس نہ چاندی ہے۔ نہ سونا!

اس پر وہ ناراض ہو کر چل دیئے۔ مگر تیسرا جاتے جاتے دروازے ہی میں رک گیا۔ اور کہنے لگا "تم دھوکے باز ہو، تم فریبی ہو۔ تم مکار ہو۔ تم دوسروں کو ایسی نیکی کی تلقین کیوں کرتے ہو، جس پر خود عمل نہیں کرسکتے!"

پرانی شراب

ایک امیر کو اپنے سرداب اور اپنی پرانی شراب پر بڑا ناز تھا۔
اس کے پاس پرانی شراب کا ایک بہت بڑا پیمانہ تھا۔ جو کسی خاص تقریب
کے لیے جس کا صرف اسے ہی علم تھا، سرداب میں مدتوں سے
رکھا تھا!

شہر کا حاکم اس کے یہاں آیا، تو اس نے سوچا "پرانی شراب کا
پیمانہ میں معمولی حاکم کے لئے کھول دوں --- نہیں ہرگز
نہیں!

کلیسا کا بڑا پادری اس کی ملاقات کے لئے آیا، لیکن اس نے
اپنے آپ سے پھر یہی کہا "نہیں وہ پیمانہ میں نہیں کھولوں گا ——
—— اس پادری کو پرانی شراب کی قدر کیا معلوم ——
—— اس کی تو بو تک بھی اس کے نتھنوں تک نہیں پہنچنا چاہیئے"
اس ملک کا شہزادہ اس کے یہاں کھانے پر آیا، لیکن اس نے

سوچا "یہ عظیم الشان شراب اور میں ایک معمولی شہزادے کے پیالے میں لنڈھا دوں۔ نہیں ہرگز نہیں!"
یہاں تک کہ اپنے بھتیجے کی شادی پر، جہاں بڑے بڑے رئیس و امرا مدعو تھے۔ اس نے اپنے آپ سے صرف یہی کہا: "نہیں، ان مہمانوں کے لئے ہرگز میں اپنی پرانی شراب کا پیمانہ نہیں کھول سکتا!"
وقت یونہی گزر گیا، اور آخر کار یہ بوڑھا مر گیا، معمولی آدمیوں کی طرح اسے بھی خاک کے سپرد کر دیا گیا جس دن سے دفن کیا گیا، وہ قدیم پیمانہ شراب کے دوسرے مٹکوں کے ساتھ باہر لایا گیا ——
—— جسے اس نواح کے دیہاتیوں نے آپس میں بانٹ لیا، مگر کسی کو اس پرانی شراب کی کسی خاص خوبی کا پتہ تک بھی نہ چلا، کہ ان کے نزدیک جو کچھ بھی ساغر میں انڈیلا جائے ——
صرف شراب ہے!

دو گیت

صدیاں گزریں، ایتھنز کی سڑک پر دو شاعر ایک دوسرے سے ملے ــــــ انہیں ایک دوسرے سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔

ایک نے دوسرے سے پوچھا "کیا لکھا ہے، آپ نے ان دنوں؟"

دوسرے شاعر نے بڑے گھمنڈ سے کہا "میں نے ابھی ابھی اپنی بہترین نظم ختم کی ہے۔ شاید یونانی زبان کی بہترین نظم، یہ زیوس اعظم کی حمد ہے۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے چغے سے ایک چرمی کاغذ نکالا جسے بڑے اہتمام سے لپیٹا ہوا تھا۔

"دیکھو یہ رہی میری وہ نظم اگر تم چاہو، تو مجھے پڑھ کر تمہیں سنانے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا ــــــ آؤ سفیدے کے اس درخت کے سائے تلے بیٹھ جائیں۔"

شاعر نے اپنی نظم پڑھنا شروع کی ——— یہ ایک بہت ہی طویل نظم تھی ؛

"بڑے معرکے کی چیز ہے" پہلے شاعر نے بڑی فراخ دلی سے داد دی "یہ نظم مدتوں زندہ رہے گی ، اور اس سے آپ کا بڑا نام ہوگا"

مگر دوسرے شاعر نے بڑی بے توجہی سے کہا، لیکن تم نے کیا لکھا ہے اتنے دنوں میں ——— ؟

"بہت ہی کم لکھا ہے میں نے" پہلے نے جواب دیا "باغ میں کھیلتے ہوئے ایک بچے کی یاد میں صرف آٹھ شعر"

اور اس شاعر نے اپنے وہ آٹھ اشعار پڑھ کر اسے سنا دیئے!

"کچھ ایسے برے نہیں" دوسرے شاعر نے بڑی نخوت سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ہاں کچھ ایسے برے نہیں ہیں!"

اور آج دو ہزار سال گزرنے پر بھی، ہر زبان میں، اس یونانی شاعر کے وہ آٹھ شعر پڑھے جاتے ہیں،

گائے جاتے ہیں

پسند کئے جاتے ہیں!

اور اگرچہ وہ دوسری نظم، ذیونس اعظم کی حمد، صدیوں سے پرانی کتابوں اور صحیفوں میں محفوظ ہے، لیکن نہ اسے کوئی پڑھتا ہے ———

——— اور نہ ہی کوئی اسے پسند کرتا ہے!

خاتون روحی

تین آدمی دور کھڑے اس سفید مکان کی طرف دیکھ رہے تھے، جو
سامنے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا تھا۔
ان میں سے ایک نے کہا: "یہ خاتون روحی کا گھر ہے، اس بوڑھی
چڑیل کا!"
"ہاں تم کیا جانو،" دوسرا بولا۔ "خاتون روحی تو بلا کی خوبصورت عورت
ہے، جو دن رات اپنے خوابوں کے سحر میں کھوئی رہتی ہے!"
"تم دونوں غلط کہتے ہو،" تیسرے نے کہا۔ "خاتون روحی تو ان وسیع
کھیتوں کی مالک ہے۔ اور سفاک زمینداروں کی طرح اپنے کسانوں
کا خون چوستی ہے!"
وہ خاتون روحی کے متعلق باتیں کرتے بڑھتے چلے گئے!
جب چوراہے پر پہنچے۔ تو انہیں ایک بوڑھا ملا۔ ان میں سے ایک
نے اس سے کہا: "کیا آپ خاتون روحی کے متعلق کچھ فرما سکتے ہیں؟"

جو پہاڑی پر کھڑے اس سفید مکان میں رہتی ہے ؟"

"رہتی ہے ؟" بوڑھے نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اٹھایا "میں نوّے سال کا ہوگیا ہوں بھائی، اور خاتون روحی کے متعلق اس زمانے میں سنا کرتا تھا، جب میں ابھی چھوٹا بچہ تھا۔ خاتون روحی کو مرے اسی سال گزر چکے ہیں۔ اور وہ گھر جب سے خالی پڑا ہے۔ ہاں مگر کبھی کبھی اتوار کو گیت ضرور سنائی دیتے ہیں۔ اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہاں بھوتوں کا بسیرا ہے !"

چوہا اور بلی

ایک شاعر، ایک شام ایک دیہاتی سے ملا، شاعر اجنبی تھا اور دیہاتی شرمیلا۔ ——— لیکن پھر بھی وہ دیر تک کھڑے آپس میں باتیں کرتے رہے!

دیہاتی بولا "میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں، جسے میں نے حال ہی میں سنا ہے، ایک چوہا پنجرے میں پھنس گیا۔ اور پنجرے میں قید ہو کر بھی وہ مزے سے اندر پڑا پنیر کھا رہا تھا۔ باہر ایک بلی آن کھڑی ہوئی، چوہا پہلے تو ڈرا، لیکن پھر اسے خیال آیا، کہ وہ تو پنجرے میں قید ہے اور بلی کے پنجوں سے محفوظ! یہ دیکھ کر بلی بولی "میرے دوست! جانتے بھی ہو، کہ تم اپنا آخری کھانا کھا رہے ہو!"

"ہاں" چوہے نے جواب دیا "میرا جیون ایک ہے۔ اس لئے موت بھی ایک ہی ہو گی! لیکن تمہارا کیا حال ہے خالہ؟"

سنتے ہیں، نو جیون ہیں تمہارے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں نو بار ہی مرنا پڑے گا۔"

دیہاتی نے شاعر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کس قدر دلچسپ ہے یہ کہانی ——— نہیں ہے کیا؟"

شاعر نے اس کا کچھ جواب نہ دیا، اور اپنے دل میں یہ کہتا ہوا چل دیا "بے شک ہمارے بھی نو ہی جیون ہیں۔ یقیناً نو ———! اور نو بار ہی ہم کو مرنا پڑے گا۔"

نو بار! اچھا تھا کہ ہمارا بھی ایک ہی جیون ہوتا، پنجرے میں بند ——— دیہاتی کا سا جیون آخری کھانے کے لئے، پنیر کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ——— مگر کیا ہم جنگل و صحرا بادشاہ، شیر کے قریبی نہیں؟

بددعا

"تیس سال ہوئے"۔ بوڑھے ملاح نے کہا۔ ایک نوجوان ملاح میری بیٹی کو بھگا لے گیا تھا۔ ـــــ اسے اپنے دل ہی دل میں میں نے بددعا دی تھی۔ کہ میری بیٹی مجھے دنیا کی ہر شئے سے زیادہ عزیز تھی اور دنیا کی ہر شئے سے زیادہ پیاری تھی!

"تھوڑے ہی دنوں بعد خبر ملی، کہ وہ نوجوان ملاح اپنے جہاز سمیت سمندر میں ڈوب گیا ہے ـــــ اور اس کے ساتھ ہی میری بچی بھی ڈوب گئی۔ میری بچی مجھ سے چھن گئی! اب تم میرے اس لاشے میں، ایک کا نہیں دو کا خون، دیکھ رہے ہو۔ ایک بے باک ملاح کا، اور ایک معصوم دوشیزہ کا خون ـــــ یہ میری بددعا تھی جس نے انہیں یوں غارت کر دیا،

"اور اب میں قبر میں پاؤں لٹکائے، خدا سے رحم و بخشش کی دعا کرتا رہتا ہوں" بوڑھے ملاح نے نم آلود آنکھوں سے یہ کہا تو سہی لیکن اس کے انداز تکلم پر اس سے زیادہ ڈھینگ کا رنگ غالب نظر آتا تھا۔ جیسے اسے اپنی بددعا کے اثر پر بڑا ناز ہے؟

انار

ایک شخص کے پاس انار کا بہت بڑا باغ تھا۔ مدت سے اس کا یہ دستور تھا کہ فصل کے دنوں میں چاندی کے تھالوں میں انار بھر کر گھر کے باہر رکھ دیتا، اور چاندی کے ان تھالوں پر اپنے ہاتھ سے یہ لکھ کر لگا دیتا

———— "جتنے میں چاہو ایک انار اٹھا لو، آپ کو اجازت ہے"!

"مگر لوگ پاس سے گزر جاتے، اور کوئی اس کا دھیان بھی نہ کرتا!

آخر سوچ سوچ کر اس آدمی نے ایک ترکیب نکالی اور اس سال فصل کے موقع پر چاندی کے تھالوں میں پکے ہوئے سرخ انار رکھنے کی بجائے ایک تختہ اونچا کر کے لٹکا دیا۔ .... اس پر لکھا تھا ہمارے پھل بہترین قسم کے انار ہیں اور ان کی قیمت بھی ملک بھر کے دوسرے انار وں سے بہت بڑھ کر ہے"!

کو دیکھو! دور دور سے عورتیں اور مرد سبھی انہیں خریدنے چڑھے آتے ہیں!

خدا اور دیوتا

کیلافش کے شہر میں ایک سوفسطائی مندر کی سیڑھیوں میں کھڑا بہت سے دیوتاؤں کا پرچار کر رہا تھا۔ اور لوگ اپنے دلوں میں کہہ رہے تھے "ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں، کیا یہ سب دیوتا ہمارے ساتھ نہیں رہتے، اور جہاں کہیں بھی ہم جائیں۔ ہمارا پیچھا نہیں کرتے؟"
تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور شخص چوک میں کھڑا لوگوں سے کہہ رہا تھا ——— "کوئی خدا نہیں ہے۔" جس نے بھی اسے سنا، خوش ہوا۔ کہ انہیں خداؤں سے ڈر لگتا تھا!
پھر کسی اور دن، ایک اور آدمی آیا۔ اس کے بیان میں فصاحت تھی اور اندازِ تکلم میں دلکشی، اس نے کہا "لوگو! خدا صرف ایک ہے"!
یہ سننے والے افسردہ ہو گئے، کہ دل میں وہ ایک خدا کے انصاف سے، بہت سے خداؤں کے انصاف کی نسبت زیادہ ڈرتے تھے!
اسی سال ایک اور ہادی آیا، اور اس نے لوگوں سے کہا ———

—— " اصل میں خدا تین ہیں - اور وہ تین اوپر ایک بن کر رہتے ہیں - ان کی ایک بہت مہربان ماں ہے - جو ان کی بیوی بھی ہے اور بہن بھی !"

اس پر کیلافش کے لوگ بہت خوش ہوئے ، وہ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے "ہم (یک خدا) ایک میں تین ، یقیناً ہماری خطاؤں اور کمزوریوں کے متعلق رائے قائم کرنے میں کبھی بھی متفق نہیں ہو سکتے —— اور پھر ان کی مہربان ماں وہ ہم کمزوروں کی خطا پوشی ضرور کرے گی !"

آج کے دن تک کیلافش کے شہر میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں - جو خدا کے وجود اور عدم وجود پر جھگڑتے ہیں ، جو ایک خدا اور تین خداؤں اور ان کی ایک مشفق ماں کے وجود پر مناظرے کرتے ہیں !

وہ جو بہری تھی

ایک نوجوان تاجر تھا۔ ——— نوجوان بہت ہی امیر تھا۔ اور خوبصورت اس کی بیوی بھی نوخیز تھی حسین تھی، مگر بدقسمتی سے کانوں سے بہری تھی، بالکل ہی بہری!

ایک صبح دونوں میاں بیوی ناشتے پر بیٹھے تھے۔ بیوی نے اپنے میاں سے کہا "کل میں بازار گئی۔ تو کیا دیکھتی ہوں، کہ وہ کانوں پر دمشقی ریشم بک رہا ہے۔ ہندی لبادے ہیں، ایرانی ہار ہیں اور چینی موتی ——— ——— معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سوداگر ابھی ابھی اپنے قافلے کے ساتھ ہمارے شہر میں پہنچا ہے ——— اور ادھر مجھے دیکھو، کہ اتنے بڑے آدمی کی بیوی ہو کر بھی چیتھڑے لٹکائے پھرتی ہوں میں تو اب ان میں سے اپنے مطلب کی کچھ چیزیں ضرور خریدوں گی"!

"جان کوئی وجہ نہیں، کہ تم بازار نہ جاؤ" اس نے قہوہ کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا "اور اپنی ضرورت اور پسند کی چیزیں نہ خریدو"

بھری جورو چلائی "ناں ناں ۔۔۔۔۔۔ ناں، تو ہر وقت تمہاری زبان پر ہے، لیکن اتنا تو سوچو، کہ تمہاری بیوی ان چیتھڑوں میں پھرے گی، تو کیا تمہارے نام اور تمہاری دولت پہ حرف نہ آئے گا؟"

وہ بولا "لیکن جان، میں نے ناں کب کی ہے، تم جب چاہو، بازار جاؤ، اور اپنے لئے بڑھیا سے بڑھیا ریشم، خوب صورت سے خوب صورت ہار، اور عمدہ سے عمدہ موتی خرید لاؤ۔"

لیکن بھری جورو نے اس کا بھی الٹ ہی مطلب نکالا۔

"شہر کے تمام رئیسوں میں سے ایک تم ہی بد ترین کنجوس ہو" اس نے روتے ہوئے کہا "تم مجھے ہر خوبصورت چیز سے صرف اس لئے محروم رکھتے ہو کہ وہ مہنگی ہے۔ حالاں کہ مجھ سے بڑی بڑی عمر کی عورتیں بڑھیا سے بڑھیا ریشم اور عمدہ سے عمدہ موتی پہنے پھرتی ہیں!"

روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی، اس کے روپہلی آنسو اس کے ابھرے ہوئے گداز سینے پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے،

وہ چلا رہی تھی "میری ہر خواہش پر، تم بس ناں، ناں ہی سناؤ گے! میرے لئے تمہارے گنجے کبھی بھی کچھ نہیں رہتا؟!"

نوجوان تاجر کو اپنی جورو کی بیچارگی پر رحم آگیا۔ وہ اٹھا، اپنے تھیلے سے مٹھی بھر اشرفیاں نکال کر اس کے سامنے ڈال دیں، اور بڑے پیار سے بولا "جاؤ میری جان، اور جو کچھ بھی تمہیں پسند ہو، خرید لاؤ"

اس دن کے بعد، اس نوخیز اور حسین بھری جورو کو جب بھی کسی شے کی

ضرورت ہوتی، تو وہ اپنی آنکھوں میں، روپہلی آنسو لیئے، اپنے
نوجوان خاوند کے پاس آجاتی، اور وہ چپ چاپ مٹھی بھر اشرفیاں
نکال کر اس کے سامنے ڈال دیتا۔
اب کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس حسین عورت کو، کسی دوسرے نوجوان
سے محبت ہوگئی ——— جو لمبی لمبی سیاحتوں کا شوقین تھا!
اب یہ نوجوان جب بھی کہیں باہر جاتا تو یہ نوجوان خوب صورت
عورت صبح و شام کھڑکی میں کھڑی روتی رہتی!
ادھر جب بھی اس کا خاوند اسے یوں اپنے گال آنسوؤں سے بھگوتے
دیکھتا، تو اپنے دل میں کہتا "شہر میں ضرور کوئی نیا قافلہ، نئے نئے ریشمی
لبادے، قیمتی قیمتی ہار، اور نایاب موتی لے کر آیا ہے"!
وہ مٹھی بھر اشرفیاں نکالتا، اور اس کے سامنے ڈال دیتا!

تلاش

لبنان کی گھاٹی پر صدیاں گزریں، دو فلسفی ملے،
ایک نے دوسرے سے پوچھا "کہاں جا رہے ہو تم"؟
دوسرا بولا "میں شباب کے چشمے کی تلاش میں ہوں۔ اور وہ میرے خیال میں، یہیں کہیں ان پہاڑیوں سے پھوٹتا ہے۔ میں نے اس کی بابت پرانے صحیفوں میں بھی دیکھا ہے۔ کہ وہ سورج کی طرف پھول کی طرح کھلتا ہے"!
پہلے نے جواب دیا "مگر میں تو موت کے بھید کی تلاش میں ہوں"!
دونوں فلسفی اپنے دل میں یہ سمجھ رہے تھے، کہ دوسرا اس گت سے بالکل بے بہرہ ہے، اور اس نظر سے کورا، جو اسے ودیعت کی گئی ہے ——— وہ ایک دوسرے پر اپنی برتری جتانے کے جنون میں ابھر گئے۔
وہ ایک دوسرے کی روحانی عظمت ——— بصیرت و بصارت

کو جھٹلا رہے تھے ۔
جھگڑا بڑھتے بڑھتے بات ہاتھا پائی پر پہنچی، تو کہیں سے اِدھر ایک ایسا دیہاتی آن نکلا، جسے اس کے گاؤں والے، سیدھا سادا، اور بے وقوف سمجھتے تھے ۔
اس نے ان دو پڑھے لکھے عالموں کو جھگڑتے دیکھا، تو ان کی باتیں سننے کے لئے رک گیا!
کچھ دیر، دور کھڑے ان کی باتیں سنتے رہنے کے بعد، وہ ان کے قریب آگیا، اور انہیں اپنی طرف مخاطب کر کے بولا "میرے دوستو، معلوم ہوتا ہے، آپ دونوں فلسفے کے ایک ہی نظریے پر متفق ہیں۔ اور آپ دونوں کو ایک ہی چیز کی جستجو ہے۔۔۔۔
——— اگرچہ آپ دونوں نے اسے الگ الگ نام دے رکھے ہیں۔
"آپ میں سے ایک کو چشمہ شباب کی تلاش ہے، اور دوسرے کو اسرار موت کی جستجو ——— حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی ہیں، اور آپ دونوں کے اندر موجود ——— الوداع میرے دوستو!"
اجنبی یہ کہہ کر رخصت ہوگیا، وہ ان سے کسی قدر فاصلے پر پہنچنے پر اپنے آپ میں مسکرا رہا تھا ۔
دونوں فلسفی پل بھر، تو چپ چاپ کھڑے ایک دوسرے کو تکتے

رہے۔ اور پھر ایکا ایکی وہ بھی کھل کھلا کر ہنس پڑے!

ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "تو کیوں نہ اب ہم ایک ساتھ تلاش شروع کریں؟"

صولجان

بادشاہ نے اپنی بیوی سے کہا "بیگم، تم سچ مچ کی ملکہ نہیں ہو،
شاہ وار ——— میری جورو بننے کے لائق کا انتہائی کم ظرف ہو
اور ناشکر گزار!"
اس کی بیوی بولی "جناب بھی تو اپنے آپ میں بہت بڑے بادشاہ
بنے پھرتے ہیں، لیکن اصل میں ہو، نرے بدھو!"
بادشاہ یہ سن کر طیش میں آگیا۔
اس نے اپنا صولجان اٹھایا، اور اپنے پورے زور سے اسے ملکہ
کی پیشانی پہ دے مارا،
طلعی صولجان ملکہ کے خون سے لت پت ہو گیا!
صدر اعظم اندر داخل ہوا۔ کورنش بجا لا کر بولا۔ "جہاں پناہ یہ صولجان
ملک کے سب سے اونچے فن کار نے تیار کیا تھا۔ مجھے افسوس ہے
کہ ایک نہ ایک دن حضور کو اور ملکہ معظمہ کو بھی دنیا بھول جائے گی۔

لیکن یہ صولجان، فن کا یہ نادر نمونہ، آنے والی نسلوں میں صدیوں محفوظ رہے گا۔

"اور اب کہ جہاں پناہ نے، اس طلائی صولجان سے ملکہ معظمہ کے سر سے خون نکالا ہے۔ تو یہ صولجان اب اور بھی زیادہ اہم یادگاروں میں سے سمجھا جائے گا! •

راستہ

پہاڑی کے دامن میں ایک ماں اور اس کا ایک بچہ ——
—— بوڑھی کا بچہ، دونوں ایک ساتھ آباد تھے!
طبیب ابھی سرہانے ہی کھڑا تھا کہ بچہ بخار سے مرگیا،
غم سے ماں کی دنیا اندھیر ہوگئی، مامتا پکار پکار کر طبیب سے پوچھ
رہی تھی: "مجھے بتاؤ کس موذی نے ——— اس پیام کشش بکشی
کو بکھیر ادیا؟
"کس نے اس مضطرب گیت کو خاموش کردیا؟"
طبیب بولا "یہ بخار تھا!
ماں نے پوچھا: "یہ بخار کیا بلا ہے؟"
طبیب الجھن میں پڑگیا ——— "میں صحیح طرح سے بیان تو نہیں
کرسکتا۔ کہ یہ ہوتی تو حقیر سی چیز ہے، لیکن بدن کے اندر داخل ہو
کر زہر پھیلادیتی ہے ——— پرمصیبت یہ ہے کہ ہم اسے

دیکھ نہیں سکتے ، انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی !"

طبیب چلا گیا ، ماں روتی رہی ، اور اس کے الفاظ دہراتی رہی۔

"یہ ہوتی تو حقیر سی چیز ہے ، لیکن ہم اسے دیکھ نہیں سکتے ۔ انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی !"

دن ڈھلے ، پادری ماتم پرسی کے لیے آیا ، ——— ماتا ابھی تک چلا رہی تھی ، ماں کے آنسو تھمتے ہی نہیں تھے وہ پادری سے پوچھ رہی تھی "کوئی مجھے بتاؤ ، میرا ایک ہی بچہ مجھ سے کیوں چھن گیا ؟

"میرا اکلوتا بیٹا !"

"میرا لاڈلا پرسی کا بچہ !"

پادری بولا "میری بچی یہ خدا کی مرضی تھی !"

ماں بولی "تو پھر خدا کیا ہے ——— خدا کہاں ہے ؟

"میں خدا کو دیکھنا چاہتی ہوں کہ اس کے سامنے اپنا سینہ کھول کر رکھ دوں ——— کہ اپنے دل کا خون اس کے پاؤں پر نچوڑ دوں !

"مجھے بتاؤ کہ خدا کہاں ہے ؟"

پادری بولا "بیٹی خدا بہت بڑا ہے ، لیکن انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی !"

ممتا چلائی "ایک بہت ہی حقیر شے نے بہت ہی بڑی شے کی مشیت سے میرے لال کی جان نکال لی ——— تو پھر ہم کیا ہیں ؟

"ہم کون ہیں ؟"
بچے کی نانی ، بابے کا کفن لئے اندر رہی تھی ۔ اس نے پادری کے
الفاظ بھی سنے تھے ، اور اپنی بچی کی فریاد بھی ——— اس
نے کفن تو نیچے رکھ دیا ، اور اپنی بچی کا ہاتھ پکڑ کر بولی "میری بچی
ہم ہی بہت حقیر ہیں ، اور ہم ہی بہت بڑے ہیں ! ——— اور ہم ہی ہیں ان
دو حدوں کے مابین ، ایک اٹل راستہ !

دِل اور تتلی

ایک شام، ایک مرد اور ایک عورت ——— دونوں ایک ساتھ ڈاک گاڑی میں جا رہے تھے !

دونوں پہلے بھی ایک دوسرے سے مل چکے تھے !

دونوں ہی جان پہچان پرانی تھی !

مرد شاعر تھا، عورت کے پہلو میں بیٹھے، اس نے سوچا کہ وہ افسانے اور کہانیاں سنا سنا کر اس کا دل بہلائے، افسانے جو اس کے اپنے بنائے ہوئے تھے، کہانیاں جو اس کی اپنی نہیں تھیں !

شاعر افسانوں کے رنگین جال بن رہا تھا، مگر وہ عورت سو رہی تھی۔

گاڑی کے اچانک جھٹکے سے وہ جاگ اٹھی ———

——— تو بولی " جرنا اور دیل کی جو تعبیر تم نے بیان کی ہے مجھے بے حد پسند ہے !"

شاعر بوکھلایا۔ محترم خاتون۔ مگر میں تو آپ سے اپنا لکھا ہوا
ایک افسانہ کہہ رہا تھا ــــــــ تتلی اور چمپے کی کومل کلی
سے متعلق، ان کے باہمی مراسم ــــــــ ان کی باہمی الفت
کے بارے میں!"

متعدی امن

ایک پتلی پھولی شاخ نے دوسری سے کہا "آج کا دن بہت ہی ویران ہے" "اور اداس"!
دوسری شاخ بولی "بے شک دن بہت اداس ہے اور ویران بھی" —— اسی آن ایک چڑیا، ایک شاخ پر آن بیٹھی اور پھر ایک اور چڑیا!
چڑیا نے چوں چوں کر کے کہا "میری جورو مجھے چھوڑ گئی ہے"
دوسری بولی "میرا ساتھی بھی مجھے چھوڑ گیا ہے، اور اب وہ واپس نہیں آئے گا" —— لیکن مجھے اس سے کیا؟
دونوں چوں چوں کرنے لگیں، اور پھر ایک دوسری کے پر نوچنے لگیں، اب وہ لڑ رہی تھیں —— اور شور مچا رہی تھیں۔
ایکا ایکی دو چڑیاں تیرتی ہوئی آسمان سے نیچے اتریں اور ان دو بے صبر چڑیوں کے قریب چپ چاپ بیٹھ گئیں ——

——— اب وہاں خاموشی تھی!

اب وہاں امن تھا!!

——— پھر وہ چاروں۔ زوج زوج اڑ گئیں!

پہلی شاخ ساتھ والی شاخ سے کہنے لگی "کیا بے ہنگم شور تھا!"

دوسری شاخ بولی "تم جو چاہو، اسے کہو، مگر میں تو اسے امن پرور

اور فرحت افزا سمجھتی ہوں۔ اگر اوپر کی فضا میں امن ہے، تو

نیچے بھی امن ہے! ——— کیا تم ہوا میں لہرا کر میرے

قریب نہیں ہو سکتیں؟"

پہلی شاخ بولی "کیوں نہیں، ضرور ——— امن" کے لئے

پیشتر اس کے کہ بہار کے دن بیت جائیں!"

پھر وہ ہوا کے تیز جھونکے کے ساتھ لہرا کر اسے اپنے سینے سے

لپٹانے اس کے قریب آن پہنچی!

سایہ!

جون کی ایک صبح گھاس بلوط کے سایہ سے بولی "تم تو دائیں بائیں کثرت سے جھول کر ہمارا امن برباد کرتے ہو"

سایہ بولا "ارے بھئی میں نہیں میں نہیں، ذرا آسمان کی طرف دیکھو تو ــــــ ایک بہت بڑا درخت ہے۔ جو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ، مشرق کی طرف، اور مغرب کی طرف جھومتا رہتا ہے۔ سورج اور زمین کے درمیان!"

گھاس نے اوپر دیکھا۔ تو پہلی بار اسے وہ درخت نظر آیا
اس نے اپنے دل میں کہا ــــــ "گھاس! مجھ سے بھی لمبی اور اونچی اونچی گھاس!
اور گھاس خاموش ہو گئی!

ستّر

نوجوان شاعر نے ملکہ سے کہا۔
"مجھے تم سے محبت ہے!"
ملکہ نے جواب دیا۔
"مرے بچے مجھے بھی تم سے محبت ہے!"
"لیکن، میں تمہارا بچہ نہیں ہوں، ——— میں مرد ہوں، میں جوان
"ہوں میں تم سے محبت کرتا ہوں!"
ملکہ بولی۔
اور میں لڑکوں کی ماں ہوں، اور لڑکیوں کی ——— اور وہ بچوں
کے باپ ہیں۔ بچیوں کی مائیں ہیں ——— اور میرے بیٹے کا
ایک بیٹا، تو عمر میں تم سے بھی بڑا ہے!
نوجوان شاعر نے دہرایا۔
"مگر مجھے تم سے محبت ہے!"

اس کے کچھ دن بعد، ملکہ مر گئی۔ لیکن پیشتر اس کے، کہ اس کا آخری سانس، زمین کے مہیب و عظیم سانس میں کھو کر گم ہو جائے، وہ اپنے دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

"مرے لال، میرے محبوب ——— میرے نوجوان شاعر، ہو سکتا ہے، کہ ہم پھر کبھی نہیں، ہو سکتا ہے کہ جب میری عمر ستر سال کی نہ ہو!"

تلاش حق

دو آدمی ایک ساتھ وادی میں گھوم پھر رہے تھے۔
ان میں سے ایک نے، پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" وہ
سامنے خانقاہ دیکھ رہے ہو! اس میں ایک راہب رہتا ہے۔
جس نے مدتوں سے دنیا کو تج رکھا ہے، اسے صرف خدا کی تلاش ہے
اور دنیا کی کسی اور چیز سے اسے کوئی رغبت نہیں"!
دوسرا بولا، "جب تک وہ اس خانقاہ، اور اس خانقاہ کی تنہائی کو
چھوڑ کر، دنیا میں واپس نہیں آتا، خوشی میں ہمارا ساتھی، اور غمی
میں ہمارا مونس بننے کے لئے، شادی کی محفلوں میں ناچنے والوں
کے ساتھ مل کر ناچنے، اور موت کے سانحوں پر، رونے والوں کے
ساتھ آنسو بہانے، اسے خدا نہیں مل سکتا"!
پہلا اگرچہ دل میں قائل ہو چکا تھا، مگر کہنے لگا۔ "تم نے جو کچھ بھی کہا
مجھے اس سے اتفاق ہے۔ لیکن پھر بھی، یہ میرا ایمان ہے، کہ

رشی بہت اچھا آدمی ہے ۔۔۔۔ اور کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایک بھلا آدمی ہزاروں ایسے لوگوں سے دور ہی رہے ، جو اپنے آپ کو بھلا سمجھتے ہیں !

دریا

"قادسیہ کی وادی میں، جہاں بڑا دریا بہتا ہے۔ دو چھوٹی چھوٹی ندیاں باہم ملنے پر، یوں گویا ہوئیں!

پہلی بولی:" کہو سہیلی، راستہ کیسے کٹا تمہارا؟"

دوسری نے کہا:" بہن میرا راستہ تو بہت ہی خراب تھا۔ پن چکی کا پہیہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اور چکی والا بوڑھا، جو میرا راستہ کاٹ کر مجھے اپنے کھیتوں میں لے جایا کرتا تھا۔ مر چکا ہے۔ میں ہاتھ پاؤں مارتی، جو دھوپ میں بیٹھے مکھیاں مارتے رہتے ہیں۔ ان کے کیچڑ سے بچتی بچاتی چلی آ رہی ہوں ——— مگر تمہاری راہ کیسی تھی؟"

پہلی ندی بولی:" میری راہ، بالکل مختلف تھی۔ میں پہاڑوں پر سے ہو کر رنگیلی بیلوں اور معطر پھولوں سے الجھتی ہوئی آ رہی ہوں، چاندی کی کٹوریاں بھر بھر کر مرد اور عورتیں میرا پانی پیتے تھے، اور چھوٹے چھوٹے بچے اپنے گلابی پاؤں، میرے کنارے کھنگالتے تھے۔ میرے

چاروں اور قہقہے تھے، اور رسیلے گیت تھے ——— لیکن افسوس کہ بہن تیرا راستہ خوشگوار نہ تھا!

"چلو جلدی چلو" دریا چنگاڑا، "چلو چپ چاپ بڑھے چلو، مجھ میں سما جاؤ، ہم سمندر کی طرف جا رہے ہیں، آؤ کہ میری گود میں پہنچ کر تم اپنی سب کوفت بھول جاؤ گی ——— خوشی اور رنج کے تمام قصے خود بخود محو ہو جائیں گے!

"آؤ ——— کہ ہم اپنے راستے کی تمام کلفتیں بھول جائیں گے۔ سمندر میں ——— اپنی ماں کی گود میں پہنچ کر ہم سب کچھ بھول جائیں گے!"

دو شکاری

مئی کی ایک چمکیلی صبح جھیل کے کنارے، خوشی غمی سے ملی۔
ایک نے دوسری کی خیر و عافیت پوچھی، اور پھر جھیل کے ساکن پانی
کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔
خوشی دنیا کی خوبصورتیوں کا ذکر کرتی تھی۔ ان عجائبات کا، جن سے زندگی
جنگل میں، پہاڑوں پر، اور مرغزاروں میں دوچار ہوتی ہے۔ اور ——
—— ان رسیلے گیتوں کا جو دن چڑھے اور دن ڈھلے سنائی
دیتے ہیں!
غمی نے خوشی کی زبانی جو کچھ سنا، اس سے اتفاق کیا —— وہ موجودہ
—— کے سحر کو بھانپ چکی تھی، اور اس کے حسن کو بھی!
اور جب غمی نے پہاڑوں اور مرغزاروں کی بہار کا ذکر کیا، تو اس کے
بیان میں بلا کی روانی تھی، اور زبان میں بے پناہ کشش!
بہت دیر تک غمی اور خوشی یونہی ایک ساتھ بیٹھیں باتیں کرتی رہیں۔

ایک جو کچھ بیان کرتی۔ دوسری اس سے پورا پورا اتفاق کرتی تھی۔
اسی سمے، جھیل کے اِدھر، دوسرے کنارے دو شکاری جا رہے
تھے، جیسے ہی انہوں نے ادھر دیکھا، تو ایک بولا "جانے وہ کون
ہیں؟"
دوسرا کہنے لگا "کیا کہا تم نے، دو؟ ——— مجھے تو صرف
ایک دکھائی دے رہا ہے!"
پہلے شکاری نے کہا "نہیں بھئی دو ہیں؟"
دوسرا بولا، "وہاں تو صرف ایک ہی ہے ———
——— اور جھیل میں سایہ بھی تو صرف ایک ہی کا دکھائی
دے رہا ہے!"
پہلا کہتا تھا "نہیں دو ہیں ——— اور پانی میں سایہ بھی دو ہی
کا صاف نظر آ رہا ہے!"
دوسرے کا اب بھی وہی خیال تھا "میں تو صرف ایک ہی کو دیکھ رہا ہوں!"
اور پہلا اس بات پر مصر تھا، کہ اسے تو صاف طور پر دو دکھائی دے
رہے ہیں!
آج تک ایک شکاری کو یہ شکایت ہے کہ اس کے دوست کو ایک
کے دو دو نظر آتے ہیں، اور دوسرا سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھی کی
بینائی ضرور کچھ کم ہو گئی ہے!

آوارہ وَگرد

میں ایک دفعہ کسی اور سیاح سے ملا، وہ بھی کچھ مجنون سا ہی تھا
——— اور وہ مجھ سے یوں گویا ہُوا۔

" میں تو ایک آوارہ ہوں - اور اکثر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے
اس زمین پر میں، انسانوں میں نہیں بونوں میں چل پھر رہا ہوں۔

" میرا سر ان کی نسبت، چونکہ ستر گز زیادہ اونچا ہے۔ اس لئے اس
میں اتنے ہی زیادہ بلند، اتنے ہی زیادہ وسیع خیالات پیدا ہوتے
ہیں۔

" اور جو تم سچ پوچھو، تو میں، انسانوں میں نہیں بلکہ انسانوں پر چلتا
ہوں۔ اور وہ اپنے کھلے اور وسیع کھیتوں میں میرے قدموں کے
نشانوں کے سوائے اور کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے!

" اور اکثر میں نے انہیں، اپنے پاؤں ان کے نشانوں کے غیر معمولی پیمائش
پر بحث کرتے، جھگڑتے سنا ہے۔ کیونکہ بیشتر یہی خیال کرتے ہیں۔

کہ یہ کسی بلا کے پاؤں کے نشان ہیں۔ جس کی آج سے صدیوں پہلے کہیں ادھر گزرگاہ تھی!

اور بعض کہتے ہیں، نہیں ان گڑھوں میں دور چمکنے والے ستاروں سے شہاب ٹوٹ کر گرتے رہے ہیں!

مگر اے مرے دوست، ایک صرف تم جانتے ہو، کہ یہ سوائے اک آوارہ گرد کے پاؤں کے نشانوں کے اور کچھ بھی نہیں!

تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام خواجہ محمد عبداللہ پرنٹر چھپوا کر سکندر بخت رہنمائے بک ڈپو گجرات سے شائع کیا:-